حدیث ضعیف — اصول واحکام

مفتی محمد عبید اللہ اسعدی
(استاذ جامعہ عربیہ ہتورا باندہ)

ایفا پبلی کیشنز - نئی دھلی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	:	حدیث ضعیف — اصول واحکام
مولف	:	مفتی محمد عبید اللہ اسعدی
کمپوزنگ	:	محمد سیف اللہ
صفحات	:	۱۴۰
قیمت	:	۱۰۰/روپے
سن طباعت	:	فروری ۲۰۱۴ء

ناشر

ایفا پبلیکیشنز

۱۶۱ — ایف، بیسمنٹ، جوگابائی، پوسٹ باکس نمبر: ۹۷۰۸
جامعہ نگر، نئی دہلی — ۱۱۰۰۲۵
ای میل: ifapublication@gmail.com
فون: 011 - 26981327

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

پیش لفظ	۱۱
عرض مؤلف	۱۵
باب اول :	۱۷
(الف) حدیث ضعیف	۱۹
۱—تعریف	۱۹
۲—ضعیف ومردود	۱۹
۳—حدیث ضعیف کی انواع	۲۰
۴—حکم	۲۱
۵—حدیث ضعیف کی روایت اوراس پرعمل کا حکم	۲۲
(ب) موضوع	۲۳
۱—تعریف	۲۳
۲—موضوع حدیث کوحدیث کہنا	۲۴
۳—وضع کی صورتیں وشکلیں	۲۴
۴—حدیث موضوع کی حیثیت ومقام	۲۵
۵—عام ضعیف وموضوع احادیث کی روایت کا حکم	۲۵
۶—حدیث ضعیف کی روایت کے الفاظ	۲۷
۷—موضوع پرعمل کا حکم	۲۷
۸—انتہائی قابل لحاظ امر	۲۸
موضوع وضعیف کے درمیان فرق	۲۸

۹—متہم بالوضع راوی کی روایت اور اس کا حکم ۲۸
۱۰—ایسی روایات ذکر کرنے والے بعض ائمہ فن ۲۹
۱۱—وضع کا حکم چند امور کا محتاج ہے ۳۰
۱۲—محدث اعظمی کا محققانہ کلام ۳۱
۱۳—شعبان کے روزہ کی فضیلت سے متعلق حدیث موضوع نہیں ہے ۳۲
۱۴—حدیث موضوع—غیر کے ساتھ مل کر بھی حجت اور قابل قبول نہیں ہوتی ۳۳
۱۵—ابن جوزی کے توسع پر نقد وتبصرہ ۳۳
۱۶—کذاب ووضاع کا تفرد وضع کو مستلزم نہیں ہے ۳۴
۱۷—کتاب ''ترغیب وترہیب نی نی میں منذری کا ضابطہ ۳۵
۱۸—منذری نے ترغیب میں موضوع کا تذکرہ نہیں کیا ہے ۳۵
۱۹—بعض رواۃ جن پر وضع کا الزام واتہام ہے ۳۵
الف—ابوبکر بن عبداللہ بن ابی سبرہ ۳۶
ب—یحییٰ بن العلاء بجلی ۳۶
۲۰—مذکورہ رواۃ کی بعض روایات جن کو موضوع نہیں کہا گیا ۳۷
الف—نصف شعبان کی رات وروزے کی فضیلت سے متعلق حدیث ۳۷
ب—نومولود کے کانوں میں اذان واقامت کی حدیث ۳۹
۲۱—وضع کے قرائن ۴۱
۲۲—بعض اہم امور وقرائن کا تذکرہ ۴۱
۲۳—کسی حدیث پر وضع کا حکم قطعیت نہیں رکھتا ۴۳
۲۴—مذکورہ ضوابط سے متعلق شیخ عبدالفتاح کا قول ۴۳
۲۵—حدیث موضوع اور حکم وضع سے متعلق واقفیت کا معتبر ذریعہ وافراد ۴۴
۲۶—اقوال متعارضہ سے نکلنے کا حل ۴۵

الف — اعتدال پسند محدثین کی رائے کو ترجیح ۴۵
ب — دلائل و مآخذ میں نظر ۴۶
۲۷ — متشدد اور متساہل ہر دو طبقہ کے بعض افراد ۴۶
۲۸ — ایک ضروری امر فنی اصطلاحات سے واقفیت ۴۷
۲۹ — احادیث موضوعہ سے کیسے بچا جائے ۴۷
۳۰ — موضوع احادیث سے متعلق اہم کتب ۴۸
۳۱ — اس باب میں عقل حاکم صرف عقل سلیم اور مسلم ہے ۴۹
۳۲ — وضع کے حکم کے لئے کبھی سند کو ہی دیکھا جاتا ہے ۵۱
باب دوم: فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل ۵۳
۱ — فضائل اعمال کے حق میں اعتبار ضعیف کے مذاہب ۵۵
۲ — مذہب جمہور کی بنیاد و سند ۵۶
۳ — اسانید میں تساہل و توسع سے کیا مراد ہے ۵۷
۴ — اس مذہب کی مصلحت و حکمت ۵۷
۵ — حدیث ضعیف پر عمل کا جواز صرف فضائل اعمال کی حد تک ہے ۵۹
۶ — فضائل میں حدیث ضعیف پر عمل کے شرائط کا بیان ۶۰
۷ — شروط مذکورہ کی وضاحت ۶۱
۸ — فضائل اعمال سے کیا مراد ہے؟ ۶۳
۹ — مثالیں ۶۵
۱۰ — ایک مثال شروط کی تطبیق کے ساتھ ۶۷
باب سوم: حدیث ضعیف متلقی بالقبول ۶۹
۱ — ضعیف متلقی بالقبول کی تعریف ۷۱

۲—اس بابت ائمہ فن کی تصریحات ۷۱
الف—اسفرائینی وابن فورک کا قول ۷۱
ب—حافظ ابن حجر ۷۲
ج—علامہ باقلانی ۷۲
د—شیخ الاسلام ابن تیمیہ ۷۲
ہ—ابن القیم ۷۴
و—ابن حزم ۷۴
ز—ابن عبدالبر ۷۵
۳—بعض ائمہ مجتہدین کے اقوال ۷۵
۴—تلقی بالقبول کی صورتیں وشکلیں ۷۷
۵—تلقی بالقبول کا حکم یا حدیث متلقی بالقبول کی حیثیت ومرتبہ ۷۹
الف—ابن فورک کا قول ۷۹
ب—ابوبکر جصاص رازی کا قول ۸۰
ج—ابن حجر کا قول ۸۰
۶—تلقی بالقبول سے حدیث صحیح کو بھی نفع ہوتا ہے ۸۱
۷—حدیث ضعیف کو تلقی سے قبول واعتبار نیز صحت کا فائدہ ہوتا ہے ۸۲
۸—حدیث ضعیف تلقی سے کبھی تواتر کی قوت حاصل کرتی ہے ۸۲
۹—سابقہ اقوال ونقول کا خلاصہ ۸۳
۱۰—تلقی بالقبول حاصل کرنے والی حدیث سے علم ویقین نظری کا حصول ہوتا ہے ۸۳
۱۱—تلقی کی دونوں صورتوں کے درمیان حکم کا فرق ۸۴
۱۲—مثالیں ۸۵
۱۳—مثال مع توضیح وتطبیق ۸۵

باب چہارم : حدیث ضعیف منجبر یعنی حدیث حسن لغیرہ ۸۷
۱—حدیث حسن لغیرہ کی تعریف ۸۹
۲—حدیث حسن لغیرہ کا حکم ومرتبہ ۹۱
۳—ضعیف اور ضعیف منجبر ۹۱
۴—انجبار (تلافی ضعف) واعتماد کے حصول کے ذرائع ۹۲
۵—معروف ترین ذریعہ ووسیلہ ۹۲
۶—تعدد طرق وکثرت طرق سے کیا مراد ہے؟ ۹۳
۷—تعدد طرق سے حاصل ہونے والی قوت وحیثیت ۹۴
۸—دوسرے مؤید طریق کے لئے مطلوب امور ۹۵
الف—ضروری نہیں کہ دونوں طرق کا راوی صحابی الگ الگ ہو ۹۵
ب—دوسرے طریق کا پہلے کے ہم پلہ ومساوی ہونا ۹۸
ج—معنی ومضمون کی موافقت ۹۹
۹—بعض دوسرے امور وقرائن بھی اعتماد وانجبار کا فائدہ دیتے ہیں ۱۰۰
۱۰—دیگر امور کیا ہیں؟ ۱۰۲
۱۱—انجبار ہر ضعیف کے لئے نہیں ہے ۱۰۳
۱۲—فائدہ نہ اٹھانے والی بعض انواع ۱۰۴
۱۳—فائدہ اٹھانے والی بعض انواع ۱۰۴
۱۴—کیا شدید الضعف احادیث بھی کچھ فائدہ حاصل کرتی ہیں؟ ۱۰۶
۱۵—بعض شدید الضعف حدیث قرائن مفیدہ کی وجہ سے
شدت ضعف سے نکل جاتی ہے ۱۰۷
۱۶—مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق شدید الضعف کی مثال ۱۰۹
۱۷—جابر (تقویت پہنچانے والے امر وحدیث) کے لئے ضابطہ ۱۰۹

۱۸—ضعیف مجبر کو جابر سے کس قسم کی قوت حاصل ہوتی ہے؟ ۱۱۰
۱۹— کیا قرائن کے فرق کی وجہ سے قوت وحکم کا فرق ہوگا؟ ۱۱۲
۲۰—ایسی احادیث کے مواقع وکتابیں ۱۱۳
۲۱—امثلہ ۱۱۳
باب پنجم: احکام کے باب میں حدیث ضعیف پر عمل ۱۱۵
۱—اس بابت علماء امت وائمہ فن کے مذاہب واقوال ۱۱۷
۲—ائمہ وعلماء مذاہب کی تصریحات ۱۱۸
الف—حنفیہ ۱۱۸
ب—حنابلہ ۱۱۹
ج—شافعیہ ۱۲۱
د—مالکیہ ۱۲۲
۳—ایک اعتراض اور جواب ۱۲۳
۴—احکام میں معتبر ضعیف سے کیا مراد ہے؟ ۱۲۴
۵— کیا ثلاثی تقسیم امام ترمذی کی ایجاد ہے اور حسن کی اصطلاح؟ ۱۲۷
۶—حقیقت کیا ہے ۱۲۸
۷—شیخ عبدالفتاح وشیخ محمد عوامہ کی ناقدانہ ومحققانہ بحث ۱۳۱
۸—کس قسم کی ضعیف احکام میں حجت ہے؟ ۱۳۳
۹—امثلہ (جو عمومی ذکر کی گئی ہیں) ۱۳۵
۱۰—حکم مذکور کی تفصیل پر منطبق ایک مثال وحدیث ۱۳۸

☆ ☆ ☆

پیش لفظ

احکام شریعت کا سب سے بڑا ماخذ حدیث نبوی ہے، حدیث سے مراد وہ تمام باتیں ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے منقول ہیں، جو باتیں آپ ﷺ سے منقول ہیں اپنے ثبوت و استناد کے اعتبار سے ایک درجہ کی نہیں ہیں، کیونکہ بعض بددین لوگوں نے اسلام کی شناخت کو نقصان پہنچانے کی نیت سے یا کسی اور مقصد کے تحت حدیث کے صاف وشفاف مواد میں اپنی من گھڑت باتیں بھی شامل کردیں ہیں، اس لئے محدثین کو ایک مستقل فن اسماء الرجال وجود میں لانا پڑا جن میں راویوں کے احوال سے بحث کی جاتی ہے کہ وہ اپنی دین داری اور قوت حفظ کے اعتبار سے کسی حد تک قابل اعتبار ہیں اور کہاں تک ان کی بات کا اعتبار کیا جاسکتا ہے۔

جہاں تک اہل علم کے ایک طبقہ نے سند حدیث کو پرکھنے کی کوشش کی اور رواۃ کے مقبول اور نامقبول ہونے کے سلسلے میں اصول وقواعد مقرر کئے، وہیں کچھ اہل علم نے ازروئے درایت حدیث کے متون کا جائزہ لیا اور قرآن مجید، آثار صحابہ، دین کے مسلمہ اصول وقواعد اور شریعت کے بنیادی مقاصد، نیز دوسرے قرائن کی روشنی میں اس بات کو طے کیا کہ کون سی حدیثیں مقبول ہیں اور کون سی نامقبول؟ کیونکہ نہ صحت سند صحت حدیث کو مستلزم ہے اور نہ ضعف سند حدیث کے نامقبول ہونے کو، پہلی خدمت زیادہ تر علماء حجاز نے کی اور دوسرے پہلو پر زیادہ توجہ علماء عراق نے کی۔

عصر حاضر میں حدیثوں کے مقبول اور نامقبول ہونے کے سلسلے میں افراط وتفریط کی کیفیت ہے، ایک طرف وہ واعظین علماء ومشائخ ہیں جو بے تکلف انتہائی ضعیف نامقبول اور موضوع

روایتیں بھی نقل کرتے جاتے ہیں، انہوں نے فضائل وآداب میں ضعیف روایت کے معتبر ہونے کا مطلب یہ سمجھا کہ ہر طرح کی بے سروپا روایتیں نقل کی جائیں، دوسری طرف کچھ لوگ وہ ہیں جنہوں نے ضعیف کو موضوع کا مترادف سمجھ لیا اور یہ خیال کرنے لگے کہ گویا ضعیف روایتیں دریابرد کردیئے جانے کے لائق ہیں، حالانکہ ضعیف بمعنی غیر معتبر ہونے کے نہیں ہیں، یہ ایک اصطلاح ہے، خود ضعیف حدیث میں بھی مقبول اور نامقبول ہونے کے اعتبار سے مختلف درجات ہیں، بعض حدیثیں اصطلاحی اعتبار سے ضعیف ہوتی ہیں، لیکن دوسرے قرائن سے درجہ اعتبار حاصل کرلیتی ہیں، تاریخ و تذکرہ کی کتابوں میں ہم لوگ جن روایات وواقعات کو بلاچوں چرا مان لیتے ہیں ان سے کہیں بڑھ کر ان ضعیف احادیث کا درجہ ہوتا ہے، اس لئے صرف اس وجہ سے کسی حدیث کو نامعتبر سمجھ لینا کہ کسی محدث نے اس کو ضعیف کہا ہے، حد یہ ہے کہ ایک بڑے ذخیرہ سے اپنے آپ کو محروم کرلینے کے مترادف ہے۔

جیسے وضع حدیث ایک فتنہ ہے، اسی طرح ان احادیث کا انکار جن کو سلف صالحین قبول کرتے آئے ہیں، بھی ایک فتنہ ہے، اسی پس منظر میں فاضل گرامی محبی فی اللہ حضرت مولانا مفتی محمد عبیداللہ اسعدی زید مجدہم نے حدیث ضعیف کے موضوع پر قلم اٹھایا ہے، اور اس سلسلے میں اصولی گفتگو کرتے ہوئے بعض ایسے پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے جو نہ صرف طلبہ بلکہ اکثر اوقات اساتذہ کی نظروں سے اوجھل رہ جاتے ہیں، اس سے پہلے بھی.....التحفۃ المرضیہ، مولانا عبدالحئ فرنگی محلیؒ نے ''الرفع والتکمیل، الأجوبة الفاضلة'' میں اس پر چشم کشا بحث کی ہے، پھر مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے اعلاء السنن کے مقدمہ میں اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے فتح الملہم کے مقدمہ میں اس موضوع کو آگے بڑھایا ہے اور ماضی قریب کے عظیم محدث وفقیہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ نے اپنی تعلیقات کے ذریعہ اس عنوان کو درجہ کمال تک پہنچادیا ہے، مولانا اسعدی صاحب نے بڑی خوش سلیقگی کے ساتھ ان تمام مباحث کا عطر کشید کرکے تسہیل وتیسیر کے ساتھ اس موضوع کو پیش کیا ہے، جو ہر صاحب علم کے پڑھنے کے لائق ہے۔

خوشی کی بات ہے کہ اس اہم موضوع پر یہ اہم تالیف اکیڈمی کے تعاون سے منظر عام پر آ رہی ہے، مولانا محمد عبید اللہ اسعدی صاحب زید مجدہم حدیث و فقہ دونوں موضوع سے گہری مناسبت رکھتے ہیں، اردو وعربی میں ان کی کئی تصنیفات منظر عام پر آ چکی ہیں اور ان تحریروں نے اہل علم کے درمیان پذیرائی حاصل کی ہے، وہ جہاں اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا کے سکریٹری برائے سمینار ہیں تو وہیں جامعہ عربیہ باندہ کے شیخ الحدیث بھی ہیں اور طویل عرصہ سے علوم اسلامی کی اہل کتابوں کا درس دے رہے ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالی ان کی اس کاوش کو قبول فرمائے، نیز غلط فہمیوں کو دور کرنے اور شکوک وشبہات کے کانٹوں کو نکالنے کا ذریعہ بنائے۔

۸ رمحرم الحرام ۱۴۳۵ھ
۱۳ رنومبر ۲۰۱۳ء

خالد سیف اللہ رحمانی
(جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مؤلف

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

أما بعد!

آج کل کے بے اعتدالی کے شکار ذہن ومزاج نے عوامی چیزوں کو خواص میں پہنچا دیا ہے اور علمی چیزیں جو خواص کے دائرہ کی ہیں ان کو عمومی بنا کر ایک بڑے فساد کا دروازہ کھول دیا ہے۔

ایک حلقہ اس کثرت سے احادیث کی نسبت سے صحیح وضعیف کی بات کرتا ہے اور صرف ان دو کی، اور ایک پر عمل، دوسری کا رد کہ ایک عامی آدمی یوں کہتا نظر آتا ہے:

''ہندوستان، پاکستان و بنگلہ دیش کی سب حدیثیں ضعیف ہیں''۔

آدمی ''حدیث'' کی اصطلاحی تعریف نہیں جانتا اور صحیح وضعیف کی بات کرتا ہے اور بھول جاتا ہے کہ یہ فنی امور و اصطلاحات ہیں۔

بہرحال اس ذہن نے یہ تصور عام کر دیا ہے کہ حدیث ضعیف اور موضوع ایک ہی ہیں کوئی فرق نہیں حالانکہ جیسے صحیح وضعیف میں ہمیشہ فرق کیا گیا۔ ضعیف وموضوع میں بھی فرق کیا گیا، اصول حدیث کی کوئی کتاب اٹھائیے یا جہاں بھی یہ فنی بحث ہو دیکھئے آپ کو فرق ملے گا۔

اور بات اہم ہو جاتی ہے جب اہل علم کے حلقہ وزمرہ میں شمار ہونے والے لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں۔

اسی کے پیش نظر ضرورت کا احساس کر کے یہ تحریر تیار کی گئی جو اصلاً عربی میں ہے جس کی جلد ہی تیسری اشاعت، انشاء اللہ نئی ترتیب واضافہ کے ساتھ سامنے آنے والی ہے۔

یہ تحریر اس عربی تحریر کا اردو خاکہ ہے کچھ ردو بدل اور حذف واضافہ کے ساتھ۔ حق تعالی سے دعا ہے کہ اللہ تعالی اس کو اپنے طالبین حق بندوں کے لئے نفع کا ذریعہ بنائے اور احقر نیز اس کے بزرگوں کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔

احقر ''ایفا پبلی کیشنز'' کا مشکور ہے کہ اس نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری لی ہے۔

محمد عبید اللہ الاسعدی

ہتورا باندہ

۲۸/جمادی الاولی ۱۴۳۳ھ

۲۱/اپریل ۲۰۱۲ء

باب اول

الف) حدیث ضعیف

ب) حدیث موضوع

(الف)

حدیث ضعیف

۱ــتعریف :

حدیث ضعیف وہ حدیث کہلاتی ہے جس کے اندر حدیث حسن کی صفت بھی نہ پائی جائے اس وجہ سے کہ اس میں حسن کے لئے مطلوب شرائط میں سے کوئی مفقود ہو۔

(تیسیر مصطلح الحدیث ص ۶۳، عراقی کا قول ہے: ضعیف وہ حدیث ہے جو مرتبۂ حسن کی نہ ہو (فتح المغیث ص ۱۴:)۔

۲ــضعیف ومردود:

''نخبۃ الفکر ونزہۃ النظر نی نی میں مردود کی تعریف یوں کی گئی ہے:

مردود وہ حدیث ہے جس کے مخبر کا صدق راجح نہ ہو اس بنا پر کہ اس کے اندر قبول کے لئے مطلوب شرائط میں سے ایک یا چند یا اکثر موجود نہ ہوں (نزھۃ مع النخبۃ ص:۲۶)۔

اسی وجہ سے ڈاکٹر محمود طحان نے ضعیف کی توضیح وتشریح مردود سے کی ہے (تیسیر مصطلح الحدیث ص۶۱:)۔

اوپر ذکر کردہ ضعیف ومردود دونوں کی تعریفات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ضعیف ومردود باہم متحد ومترادف ہیں کیونکہ اہل فن جب کسی حدیث کو مردود کہتے ہیں تو اس کے اصل اور اوّلی اطلاق میں ان کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس کو انہوں نے سرے سے رد کر دیا ہے اور چھوڑ دیا ہے بلکہ ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ''یہ ایسی حدیث ہے جو صحیح وحسن کی طرح قبولیت

ومقبولیت نہیں رکھتی۔ اور بسااوقات یہ مراد ہوتا ہے کہ اہل فن کو اس میں توقف ہے، اور غور وفکر کے بعد وہ اس کی بابت کوئی رائے قائم کرتے ہیں، خواہ یہ رائے اس کو سرے سے چھوڑ دینے کی اور اعراض کی ہو یا قبول واعتبار کی''۔

حافظ ابن حجرؒ نے ''نخبہ نی نی میں اخبار آحاد سے متعلق یہ فرمایا ہے: اخبار آحاد مقبول بھی ہیں اور مردود بھی، بعد میں اس کی شرح وتوضیح کرتے ہوئے اخیر میں فرمایا ہے:

''جب کسی حدیث پر عمل کے حق میں توقف کیا جائے تو وہ مردود کی طرح ہوتی ہے، اس وجہ سے نہیں کہ اس کے اندر رد کی صفت پائی جارہی ہے بلکہ اس وجہ سے اس کے اندر قبول کی موجب صفت موجود نہیں ہے نی نی (نزہۃ مع النخبہ ص ۲۶:)۔

اسی لئے ڈاکٹر محمود صاحب ''ضعیف'' کی بابت فرماتے ہیں:

''ضعیف مردود کا عام نام ہے نی نی (تیسیر مصطلح الحدیث ص ۶۱:)۔

اور انہوں نے مردود کی اقسام کے متعلق اسی انداز کا کلام کیا ہے، جیسا کہ اہل فن ضعیف کی انواع سے متعلق کیا کرتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:

''علماء نے خبر مردود کی بہت سی اقسام کی ہیں اور ان میں سے بہت سی اقسام کے لئے خاص نام ذکر کئے ہیں، اور بعض کے لئے کوئی خاص نام اختیار نہیں کیا ہے بلکہ عام نام ذکر کیا ہے اور وہ ''ضعیف نی نی ہے (ایضاً)۔

۳— حدیث ضعیف کی انواع:

پیچھے یہ بات گذر چکی ہے کہ مردود کی انواع ہی ضعیف کی انواع ہیں، اس لئے کہ دونوں مترادف ہیں اس لئے کہ ضعف ورد کے لئے دو میں سے ایک سبب کا بنیادی طور پر اعتبار کیا جاتا ہے یا سند سے سقوط (کسی ایک) یا چند یا کل روایت کرنے والوں کا یا راوی کے اندر کوئی عیب جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے ذکر کیا ہے (نزہۃ النظر ص ۳۹:—۴۰)۔

یہی دو بنیادی سبب ہیں جن کی طرف فی الجملہ سارے اسباب ضعف وردراجع ومتعلق ہوتے ہیں۔

حافظ ابن صلاح نے ضعیف کی ۴۲ اقسام بتائی ہیں اور مناوی کا کہنا ہے کہ وہ عقلاً ۱۲۹ ہیں (تدریب الراوی ۱/۱۷۹)۔

اور بعض نے کافی توسع کرتے ہوئے سینکڑوں اقسام ذکر کی ہیں (منہج النقد عند المحدثین ص ۲۸۷:)۔

۴۔حکم:

حدیث ضعیف کا حکم یہ ہے کہ اس پر عمل کرنے کے حق میں توقف کیا جائے اور غور کیا جائے کہ کیا کوئی جہت وصفت ایسی ہے کہ جو اس کو قابل قبول قرار دیتی ہے اور اس کا تقاضا کرتی ہے اور اس پر عمل کا یا ایسا نہیں ہے؟

کیونکہ اس کی ساری انواع ضعف میں ایک مرتبہ کی نہیں بلکہ ان میں روات کے اندر پائے جانے والے ضعف کی شدت وخفت کے اعتبار سے، نیز بعض دوسری وجوہ سے فرق مراتب پایا جاتا ہے، چنانچہ بعض کو ضعیف، بعض کو شدید الضعف، بعض کو واہی یا منکر وغیرہ کہتے ہیں اور اس کی بدترین قسم موضوع ہے (تدریب الراوی ۱/۹۸)۔

اسی وجہ سے اس قبیل کی بعض احادیث مقبول قرار پاتی ہیں اور اس درجہ کو بھی پہنچ جاتی ہیں کہ اہل فن اس کو حسن کی دوسری قسم قرار دیتے ہیں اور اسی طرح بعض رد کردی جاتی ہیں اور اس طور پر کہ عام حالات میں اور بغیر کسی تفصیل کے اس کی روایت جائز نہیں ہوتی جیسے موضوع۔

اور یہ سب ائمہ فن کی تصریحات اور محققین کی توضیحات سے ظاہر ہے مثلاً حافظ ابن القیم علیہ الرحمہ نے ضعیف کی اس قسم کو بیان کرتے ہوئے جس کو امام احمد علیہ الرحمہ قیاس پر مقدم رکھتے ہیں، فرمایا ہے:

امام احمد نے اس موقع وسباق میں ضعیف سے اس حدیث کو مراد نہیں لیا ہے جو باطل ہو یا منکر ہو یا اس کے روات میں کوئی ایسا متہم راوی ہو کہ جس کی روایت کو قبول کرنا جائز نہ ہو بلکہ ان کے نزدیک یہ ضعیف صحیح کی قسیم (یعنی بالمقابل ایک قسم) ہے جو کہ حسن کی ایک قسم ہے، اور پہلے یہ حدیث کی (تین اقسام) صحیح، حسن، ضعیف کی تقسیم کے ساتھ نہیں کی جاتی تھیں بلکہ صرف (دو قسمیں) صحیح وضعیف، اور ضعیف ان کے نزدیک مختلف مراتب کی تھی نی نی (اعلام الموقعین ۱/۲۱)۔

امام ذہبیؒ فرماتے ہیں:

''حسن کا آخری مرتبہ، ضعیف کا اولین مرتبہ ہے نی نی (الموقظہ ص ۲۳:)۔

اور شیخ محسن یمانی اپنے رسالہ ''التحفۃ المرضیہ نی نی میں فرماتے ہیں :

''حدیث ضعیف وہ حدیث ہے جو مقبول کی کسی شرط سے خالی ہو اور مقبول صحیح وحسن سے عام ہے اور اس کے عام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے مفہوم میں بہت سے افراد کی شرکت درست ہے، کیونکہ قبول صحیح وحسن پر بھی صادق آتا ہے اور ان دونوں کے علاوہ پر بھی نی نی (الاجوبۃ الفاضلۃ، التعلیقات ص ۲۶۸:)۔

۵— حدیث ضعیف کی روایت اور اس پر عمل کا حکم:

حدیث ضعیف کی روایت کا کیا حکم ہے؟ اس کی تفصیل موضوع کی روایت کے حکم کے ساتھ آرہی ہے۔

اور جہاں تک سوال ہے اس پر عمل کا، تو آئندہ چار ابواب کا تعلق اسی امر سے ہے۔

(ب)
موضوع

ا۔تعریف:

حدیث موضوع: ایسا مضمون ہے جس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف خلاف واقع وجھوٹ کی جائے (تیسیر مصطلح الحدیث ص ۸۸:)۔

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''حدیث موضوع محدثین کی اصطلاح میں ایسی حدیث ہے جس کا صدور آپ ﷺ کی ذات سے نہ ہوا ہو، نہ قولاً، نہ فعلاً، اور نہ تقریراً، اور اس کی نسبت آپ کی طرف کی جائے، خواہ خطاً یا عمداً ہو یا جہالت یا عناد کی بنیاد پر نی نی (لمحات من تاریخ السنۃ وعلوم الحدیث ص ۱۴۱:)۔

اور احقر یہ سمجھتا ہے کہ موضوع کی تعریف یوں کی جانی چاہئے:

''حدیث موضوع ایسا کلام ہے جس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف خلاف واقع وحقیقت ہو یا ایسا کلام کہ جس کی نسبت آپ کی طرف قطعی طور پر یا کسی طور سے جائز نہ ہو نی نی۔

یہ بات اس لئے کہی جارہی ہے کہ حدیث موضوع کا معاملہ یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ اس کا مضمون محض من گڑھت اور خالص جھوٹ ہو بلکہ اس کا مضمون کبھی ثابت بلکہ صحیح بھی ہوتا ہے لیکن یہ ثبوت وصحت حضور ﷺ کی ذات سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ کسی دوسرے سے متعلق ہوتا ہے، بلکہ کبھی آپ کی طرف نسبت ضعف کے ساتھ ہوتی ہے اور اس کو قوت کی شکل دیدی جاتی ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

۲ــ موضوع حدیث کو حدیث کہنا:

جس حدیث کے موضوع ہونے کا علم ہو اس کے لئے ''حدیث نبی'' کے لفظ کا استعمال کیا حیثیت رکھتا ہے؟ اس بابت شیخ عبدالفتاح ابوغدہ فرماتے ہیں:

''موضوع کو حدیث سے موسوم کرنے سے کوئی مانع نہیں ہے ــــ کہ یہ درست ہے ــــ کیونکہ لغوی معنی کی رو سے وہ بھی حدیث ہے (اس لئے کہ حدیث کے لغوی معنی بات وگفتگو کے ہیں)، پھر جس نے اس کو وضع کیا ہے اس کے خیال وعمل کے مطابق وہ اصطلاحی طور پر حدیث ہے، اسی طرح جب تک بحث وجستجو سے اس کی حقیقت واضح نہ ہو وہ حدیث ہی ہے اور حدیث کہلائے گی اگرچہ وہ اصطلاح کی رو سے حقیقت میں حدیث نہیں ہے نبی'' (لمحات من تاریخ السنہ ص ۴۱:)۔

اور نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب امر کے لئے حدیث کا لفظ خود نبی اکرم ﷺ سے متعدد احادیث میں آیا ہے حتی کہ مسلم کی ایک روایت میں موضوع امر کے لئے بھی یہ لفظ آیا ہے جبکہ اس کی نسبت آپ کی طرف جائے (روایات کے لئے ملاحظہ ہو درس ترمذی ۱/۲۰)۔

مسلم کی روایت کے الفاظ ہیں:

''من حدث عنی بحدیث یری أنه کذب فهو أحد الکاذبین''۔

(مسلم مقدمہ باب وجوب الروایۃ من الثقات)۔

(جو آدمی مجھ سے کوئی ایسی بات نقل کرے جس کو وہ جھوٹ سمجھتا ہو تو وہ بھی ایک جھوٹا ہے)۔

۳ــ وضع کی صورتیں وشکلیں:

حدیث موضوع کا مضمون کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ وہ بیان کرنے والے کا گڑھا ہوا اور

ایجاد کیا ہوا ہوتا ہے اور ایسا کرنے والا اس کی نسبت حضورﷺ کی طرف کر دیتا ہے۔ احادیث موضوعہ کا اکثر حصہ اسی قسم کا ہے۔

اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایسی حرکت کرنے والا دوسرے کے کلام کو لے کر نسبت حضورﷺ کی طرف کر دیتا ہے، غیر کوئی بھی ہوسکتا ہے، صحابی، یا تابعی، یا کوئی دوسرا، حکماء وغیرہ میں سے یا وہ مضمون اسرائیلیات وغیرہ کے قبیل کا ہوتا ہے اور آدمی اس کی نسبت حضورﷺ کی طرف کرتا ہے۔

اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایسا کرنے والا کسی ضعیف السند حدیث کو لے کر کسی اچھی سند کے ساتھ اس کو بیان کرتا ہے تا کہ اس کو رواج وقبولیت کے مرحلہ میں لایا جاسکے جیسا کہ آدمی سے کبھی خطأ وغلطی کی بنیاد پر بھی ایسا ہوجاتا ہے کہ وہ نسبت کر بیٹھتا ہے جبکہ ایسا ہوتا نہیں ہے، اس کو بھی حدیث موضوع کہہ دیا کرتے ہیں (نزہۃ النظر ص: ۴۵ ولمحات من تاریخ السنۃ وعلوم الحدیث ص ۴۲:)۔

۴— حدیث موضوع کی حیثیت ومقام:

حدیث موضوع، احادیث ضعیفہ ومردود کی ایک قسم ہے جیسا کہ عام طور سے محدثین اور علماء اصول حدیث نے ذکر کیا ہے اور احادیث ضعیفہ کی بدترین اور سب سے خراب قسم ہے۔

بعض حضرات کی رائے تو یہ ہے کہ یہ ایک مستقل قسم ہے ضعیف اور اس کی انواع سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے (تدریب الراوی ۱/ ۹۸ وتوجیہ النظر ص ۶۵۷:)۔

۵— عام ضعیف احادیث کی روایت کا نیز موضوع کی روایت کا حکم:

علامہ ابن صلاح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''جان لو کہ حدیث موضوع احادیث ضعیفہ میں سب سے بدتر ہے، اور جو شخص اس کے حال سے واقف ہو اس کے لئے اس کا روایت کرنا جائز نہیں خواہ کسی بھی مضمون سے اس کا تعلق ہو البتہ اگر وہ اس کی حالت وحیثیت کا بھی ساتھ میں تذکرہ کرے تو اس کو روایت کیا جاسکتا ہے۔

جبکہ دوسری احادیث ضعیفہ جو اپنے اندر کچھ وقوع وسچائی کا امکان واحتمال رکھتی ہیں ان کا حکم مختلف ہے کہ ان کو ان کی حیثیت کی وضاحت کے بغیر بھی روایت کیا جاسکتا ہے'' (مقدمہ ابن صلاح ص ۴۷:)۔

اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ ''التقریب نی نی میں فرماتے ہیں:

''محدثین کے نزدیک ضعیف اسانید واحادیث کے حق میں تساہل کی گنجائش واجازت ہے، اور موضوع کے ماسوا کسی بھی ضعیف کو روایت کیا جاسکتا ہے، اور اس پر عمل کی بھی گنجائش ہے اگرچہ اس کے ضعف کو ذکر نہ کیا جائے نی نی (التقریب مع التدریب ۱/ ۲۹۸)۔

عراقی نے ''الفیۃ الحدیث نی نی کی شرح میں فرمایا ہے:

''محدثین کے نزدیک ضعیف اسانید واحادیث کے حق میں تساہل کی گنجائش واجازت ہے اور موضوع کے ماسوا کسی بھی ضعیف کو روایت کیا جاسکتا ہے، اور اس پر عمل کی بھی گنجائش ہے اگرچہ اس کے ضعف کو ذکر نہ کیا جائے نی نی (التقریب مع التدریب ۱/ ۲۹۸)۔

عراقی نے ''الفیۃ الحدیث نی نی کی شرح میں فرمایا ہے:

''محدثین نے غیر موضوع کی سند وروایت میں تساہل وتوسع کی اجازت دی ہے اگرچہ وضاحت نہ کی جائے نی نی (الاجوبۃ الفاضلہ ص ۳۹:، شرح الالفیۃ ۲/ ۲۹۱)۔

علامہ شامی نے ''رد المحتار نی نی میں علامہ طحطاوی سے اس بابت جو کچھ نقل کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے:

''موضوع حدیث کو اس کا حال وحیثیت ذکر کئے بغیر بیان کرنا حرام یا کفر ہے، کیونکہ اس بابت وعید مشہور ہے نی نی (ردالمحتار ۱/ ۲۵۲)۔

۶ — حدیث ضعیف کی روایت کے الفاظ:

علماء نے صراحت کی ہے:

''اگر کوئی آدمی کسی ضعیف حدیث کو سند کے بغیر روایت کرنا چاہے یا جس حدیث کی صحت وضعف میں شبہ ہو اس کو روایت کرنا چاہے تو اس کو چاہئے کہ وہ جزم (پختگی کے الفاظ اور معروف) کا صیغہ استعمال نہ کرے، بلکہ ضعف کی طرف اشارہ کرنے والے الفاظ، یعنی مجہول کا لفظ وصیغہ استعمال کرے — مثلاً: ''روایت کیا جاتا ہے نی نی اور ''روایات میں آیا ہے نی نی، یا ''وارد ہوا ہے نی نی — وغیرہ (تیسیر مصطلح الحدیث ص ۶۵:) (یعنی یوں نہ کہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے)۔

۷ — موضوع پر عمل کا حکم:

گذشتہ تفصیلات سے یہ واضح ہے کہ حدیث موضوع پر عمل کا کیا حکم ہے؟ جب اہل فن نے اس کی اجازت نہیں دی کہ بغیر ضرورت اور بغیر وضاحت حدیث موضوع کی روایت کی جائے تو اس پر عمل کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے، چنانچہ علماء نے اس کی صراحت بھی کی ہے کہ موضوع پر عمل جائز نہیں ہے۔

مشہور حنفی فقیہ علامہ حصکفی نے ''درمختار نی نی کے اندر حدیث ضعیف پر عمل کے جواز اور اس کے شرائط کے تذکرہ کے ساتھ فرمایا ہے:

''موضوع پر عمل کسی حال میں جائز نہیں ہے اور نہ اس کی روایت بغیر بیان ووضاحت کے جائز ہے نی نی (درمختار ۱/ ۲۵۲)۔

علامہ شامی نے اس پر وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''فضائل اعمال میں بھی اس کی اجازت نہیں ہے نی نی (ردالمحتار ۱/ ۲۵۲)۔

اور اسی کے ساتھ علامہ طحطاوی نے جو موضوع پر عمل کی بات ذکر کی ہے کہ جب کہ موضوع کسی اصل سے متعلق ہو جیسا کہ ضعیف کا حکم ہے (الطحطاوی علی الدر)، تو علامہ شامی نے اس کی تردید کی ہے (ردالمحتار ۱/ ۲۵۲)۔

اور شیخ عبدالفتاح ابوغدہ فرماتے ہیں:

''موضوع کو کسی اصل خاص یا عام کے تحت داخل کرنا جائز نہیں ہے اور علامہ طحطاوی کا مذکورہ قول بالکل قابل التفات نہیں ہے نی نی (التعلیقات علی قواعد فی علوم الحدیث ص ۵۸:)۔

۸— انتہائی قابل لحاظ امر:

موضوع وضعیف کے درمیان فرق:

گذشتہ مختصر تفصیل — ضعیف وموضوع کی تعریف اور روایت وعمل کے حکم — سے یہ واضح ہے کہ اگرچہ موضوع کو ضعیف کی ایک قسم قرار دیا جاتا ہے، لیکن دونوں ہم معنی وہم مفہوم نہیں کہ کسی حدیث کو ضعیف کہنے کا مطلب یہ ہو کہ یہ موضوع اور بالکل قابل ترک ہے۔

ضعیف کے مفہوم میں عموم ہے، اور اس کی بہت سی اقسام ہیں لہذا کسی حدیث کو جب ضعیف کہا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس پر عمل سوچ وسمجھ کر اور غور وفکر کے بعد ہوگا، یہ مطلب نہیں کہ بس اب اس سے بالکل آنکھیں بند کرلو۔

البتہ جب کسی حدیث کے حق میں موضوع ہونا طے وراجح ہو تو اس کا یہ مطلب ضرور ہے کہ بس اب اس سے دور رہو، روایت بھی نہ کرو، اور عمل کی تو اجازت ہی نہیں ہے۔

۹ــ متہم بالوضع راوی کی روایت اوراس کا حکم:

روات حدیث کی ایک تعداد ہے جن کے حق میں یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ وہ وضع الحدیث (گڑھنے) کے ساتھ متہم ہیں۔ اور متہم ہونے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ مذکورہ حدیث جس کی سند میں ایسا راوی ہے وہ موضوع ہے اوراس کے حق میں گڑھا ہوا ہونا ثابت ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ راوی یہ حرکت کرنے والا ہے اوراس کی روایت کے حق میں اس کا احتمال رہتا ہے۔

ایسی صورت میں کیا روایت کو موضوع قرار دیا جائے؟ تو بعض حضرات کا نقطۂ نظر تو یہی ہے کہ وہ اس بنیاد پر روایت کو موضوع اور قابل ترک وصرف نظر قرار دیتے ہیں۔

لیکن محققین کے نزدیک جیسے حدیث ضعیف کا حکم مطلق اعراض کا نہیں بلکہ تحقیق ونظر ہے، پھر کوئی فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح جس حدیث کی سند میں کوئی متہم بالوضع راوی ہو اس کا حکم بھی یہی ہے کہ غور وفکر کے بعد فیصلہ کیا جائے۔

یہی وجہ ہے کہ ہر زمانہ میں محققین فن کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ ایسی احادیث پر بھی ـــ حسب موقع ـــ اعتماد کرتے ہیں جن کی سندوں میں ایسے راوی پائے جاتے ہیں جن کے حق میں اتہام وضع کا عیب ذکر کیا جاتا ہے اوراسی وجہ سے وہ اہل فن جنہوں نے اس کا اہتمام کیا ہے کہ اپنے علم کی حد تک اپنی کتابوں میں موضوع احادیث یعنی وہ احادیث ذکر نہ کریں جن کے حق میں وضع کا حکم وفیصلہ ثابت ہے اوران اہل فن کی عظمت ومحنت کی بنا پر اہل نظر اپنی نظر کے بعد یہ کہنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ ان کتابوں میں کوئی موضوع حدیث نہیں ہے اوران مصنفین نے ایسی روایات کو عمل کی غرض سے ذکر کیا ہے، البتہ استقلالی حیثیت میں نہیں بلکہ ـــ تائید واستشہاد ـــ یعنی تقویت کی جہت سے۔

۱۰— ایسی روایات ذکر کرنے والے بعض ائمہ فن:

ایسے حضرات میں امام عبدالرزاق صنعانی ہیں، ان کی معروف کتاب ''مصنف نی نی میں اس قسم کی روایات بہت آتی ہیں۔

اسی طرح امام ترمذی کی ''سنن وجامع نی نی کا معاملہ بھی یہ ہے کہ اس میں بعض ایسے روات آئے ہیں۔

(ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں : ''میرے علم میں یہ بات نہیں ہے کہ امام ترمذی نے کسی ایسے راوی کی حدیث تنہا اسی سے اور اسی کی سند سے لی ہو جو متہم بالوضع ہو اور اس کے حق میں اس عیب پر اتفاق ہو، البتہ وہ ایسی احادیث ضرور ذکر کرتے ہیں جس کے متعدد طرق ہوں اور کسی طریق میں ایسا راوی موجود ہو: التعلیقات الفاضلہ ص ۹۷:)۔

بعد کے حضرات — جنہوں نے تحقیق ونظر کے بعد انتخابی مجموعے تیار کئے ہیں یا احادیث کو اپنی شروح وکتب کے اندر ذکر کیا ہے ایسے حضرات میں منذری، نووی، ذہبی اور حافظ ابن حجر وغیرہ ہیں۔

(اس قسم کی کتابوں اور ایسے حضرات سے متعلق ملاحظہ ہو : ''الاجوبۃ الفاضلہ نی نی سوال دوم مع جواب اور کتاب پر شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کی تعلیقات ص ۱۱۷:— ۱۳۲)۔

۱۱— وضع کا حکم چند امور کا محتاج ہے:

اہل فن واہل تحقیق حدیث موضوع کے بیان میں صرف اس پر اکتفا نہیں کرتے کہ موضوع کی تعریف وصورت سے بیان کے ساتھ مزید کسی تفصیل کے بغیر احادیث موضوعہ کا تذکرہ کریں۔

بلکہ اس کے ساتھ انہوں نے اہتمام کے ساتھ کچھ قرائن کا بھی تذکرہ کیا ہے اور کہا

ہے کہ کسی حدیث کوموضوع قرار دینے کے لئے ان قرائن کا پایا جانا اوران کا دیکھا جانا ضروری ہے، اس کے بعد ہی کسی حدیث پر وضع کا حکم لگ سکتا ہے اورانہوں نے اپنی کتابوں وفیصلوں میں اس بات کو سامنے بھی رکھا ہے۔

اور کسی حدیث میں غور وفکر کے بعد اگر اس قسم کے قرائن ان کو نہیں ملتے تو وہ حدیث کوضعیف قرار دیتے ہوئے اس کے لئے ضعیف کا حکم ومعاملہ اختیار کرتے ہیں اس کوموضوع نہیں کہتے۔

چنانچہ ائمہ فن نے ہر زمانے میں اس کی صراحت کی ہے کہ کسی حدیث سے متعلق وضع کا حکم راوی کے متہم بالوضع ہونے کے ساتھ بعض دوسرے امور وقرائن کے ساتھ بھی مقید ہے اور کسی حدیث کو محض راوی کے متہم بالوضع ہونے کی بنا پر اگر کسی نے موضوع کیا ہے تو انہوں نے اس کی تردید کی ہے (تعلیقات ظفر الامانی للشیخ عبدالفتاح ص:۴۷۱، ۴۸۳)۔

آگے محدث اعظمی حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر کے حوالہ سے یہ بات بوضاحت آرہی ہے۔

۱۲ــ محدث اعظمی کا محققانہ کلام:

کتب حدیث سے متعلق تحقیقی کام کرنے والے مشہور عالم اور معروف محدث مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی علیہ الرحمہ نے بطور فتوی ایک تفصیلی تحریر سپرد قلم کی تھی جو بعض رسائل میں شائع بھی ہوئی تھی (یہ فتوی مجلہ ''آثر'' میں شائع ہوا ہے جو مولانا اعظمی علیہ الرحمہ کے ادارے مرقاۃ العلوم مئو سے شائع ہوتا ہے)۔ اور جس کا پس منظر نصف شعبان کی فضیلت سے متعلق معروف حدیث کی بابت سوال اور اس کے بارے میں بعض حضرات کی طرف سے وضع کا حکم لگانا تھا، مولانا نے اپنی تحریر وفتوی میں اس قول کا اور اس بات کا محققانہ رد فرمایا کہ سند میں متہم بالوضع راوی کا آجانا حدیث کو موضوع قرار دیتا ہے۔ اس موقع سے اس کے بعض حصوں کا نقل کرنا مفید معلوم ہوتا ہے۔

مولانا اصولی و بنیادی طور پر فرماتے ہیں:

''کسی حدیث پر وضع کا حکم لگانا محض اس وجہ سے جائز نہیں کہ اس کا کوئی راوی احادیث کی وضع کرنے والوں میں سے ہے، اس کی وجہ سے تو صرف سند کی رو سے حدیث کا ضعف لازم آتا ہے یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے ابن ماجہ کی موضوع احادیث سے متعلق لکھا ہے انہوں نے ابن ماجہ کی اس حدیث کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔

اور علوم الحدیث کی کتابوں میں نیز دیگر کتابوں میں بھی مختلف مواقع و مباحث میں یہ تصریح موجود ہے کہ کسی حدیث کی سند میں کسی وضاع یا کذاب کے پائے جانے کی وجہ سے اس کو موضوع نہیں کہا جاسکتا جب تک کہ اس وضع پر کوئی دوسری دلیل موجود نہ ہو نی نی۔

اور یہ بھی فرمایا ہے:

''اسی طرح اس وقت بھی کسی حدیث کو موضوع قرار دینا درست نہیں جبکہ اس کے کسی راوی کے حق میں یہ کہا جائے کہ وہ منکر الحدیث ہے یا خود کسی حدیث کے بارے میں کہا جائے کہ یہ حدیث منکر ہے''۔

ایک مثال:

مولانا نے اصل حدیث سے متعلق تفصیلی گفتگو کرنے کے علاوہ بعض دوسری احادیث کا بھی تذکرہ فرمایا ہے، مثلاً حدیث ''**لا تقولوا سورۃ البقرہ**'' امام احمد علیہ الرحمہ نے اس کو منکر کہا ہے اور اس کے ایک راوی عبیس بن میمون عطار کے متعلق فرمایا ہے کہ منکر الحدیث ہے، اسی وجہ سے اس حدیث کو ابن الجوزی نے اپنی ''موضوعات نی نی میں ذکر کیا ہے، مگر حافظ ابن حجر نے اس پر سخت اعتراض کیا ہے اور فرمایا ہے:

''ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوع میں ذکر کر کے زیادتی کی ہے، جبکہ بطور دلیل کوئی بات ذکر نہیں کی ہے، صرف امام احمد کا قول اور عبیس کی تضعیف کا ذکر کیا ہے، مگر

اتنی بات وضع کا تقاضا نہیں کرتی'' (اللالی المصنوعہ ۱؍ ۲۳۹)۔

۱۳—شعبان کے روزہ کی فضیلت سے متعلق حدیث موضوع نہیں ہے:

نصف شعبان کے روزہ کی فضیلت سے متعلق حدیث ابن ماجہ میں آئی ہے، اسی کی بابت سوال پر مولانا اعظمی کی تحریر ہے، مولانا اپنی تمہید وتفصیل کے بعد فرماتے ہیں:

''ہم نے جو کچھ ذکر کیا اس سے واضح ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ شعبان کے روزہ کی فضیلت سے متعلق حدیث کو ابوبکر بن عبد اللہ نے روایت کیا ہے اور وہ واضع حدیث تھا لہذا یہ حدیث موضوع ہے، ان کا یہ قول بالکل غلط ہے، اس قسم کی جہالت کی بات کوئی عالم نہیں کرسکتا''۔

۱۴—حدیث موضوع—غیر کے ساتھ مل کر بھی حجت اور قابل قبول نہیں ہوتی:

مولانا نے محدث مبارکپوری مولانا عبد الرحمن صاحب تحفۃ الاحوذیؒ کا کلام اس حدیث سے متعلق نقل کیا ہے اور کچھ اور بات بھی (ملاحظہ ہو: تحفۃ الاحوذی ۳؍ ۴۴۲)، اس کے بعد فرماتے ہیں:

''دیکھئے کہ مولانا مبارکپوری نے ابن ماجہ کی حدیث نقل کی ہے اور اس کی بابت جرح بھی نقل کی ہے مگر اس کے باوجود اس کے راوی کو دوسری احادیث کے ساتھ ضم وانضمام کی صورت میں حجت قرار دیا ہے تو کیا موضوع بھی دوسری احادیث کے ساتھ مل کر حجت ہوتی یا ہوسکتی ہے، کوئی بھی عالم اس کا قائل نہیں ہے''۔

۱۵—ابن جوزی کے توسع پر نقد وتبصرہ:

علامہ ابن جوزی کے متعلق معروف ہے کہ وہ حدیث کو موضوع قرار دینے میں متوسع ہیں اور جلدی حکم لگا دیتے ہیں امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''سیف احمد بن ابی المجد کی تحریر میں میں نے یہ پڑھا ہے کہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ

نے کتاب الموضوعات کی تصنیف کی اور اچھا کام کیا کہ اس کتاب میں انہوں نے بہت سی ایسی احادیث نقل کی ہیں جو نہایت خراب ہیں اور عقل ونقل کے خلاف ہیں۔

لیکن یہ کام اچھا نہیں کیا کہ بہت سی احادیث کو اس وجہ سے موضوع کہہ دیا کہ اس کے بعض راویوں کے حق میں کچھ لوگوں کا کلام ہے مثلاً اس قسم کا، فلاں ضعیف ہے یا فلاں قوی نہیں ہے یا بہت کمزور ہے، جبکہ وہ حدیث ایسی نہ ہو کہ دل اس کے بطلان کی شہادت دے اور نہ ہی اس میں کتاب وسنت واجماع کی مخالفت ومعارضہ ہے، اور اس کے موضوع ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے بجز اس کے کہ کسی راوی کے بارے میں بعض لوگوں کا کلام پایا جاتا ہے۔

ابن جوزی کا یہ کام زیادتی اور حد سے تجاوز کا ہے نی نی (تدریب الراوی ۱/۲۶۷، اللالی مصنوعہ کتاب المبتدا)۔

امام ذہبی یہ بھی فرماتے ہیں:

''ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ موضوعات میں ایسی احادیث کو بھی لے آئے ہیں جو حسن وصحیح ہیں حتی کہ بعض صحیحین میں سے کسی ایک میں بھی ہیں، دوسری کتابیں تو الگ رہیں، یہ قابل نکیر توسع ہے جو بڑے ضرر ونقصان کا باعث ہے کہ اس کی وجہ سے غیر موضوع کو موضوع سمجھا جائے گا، اور ان سے حسن ظن رکھنے والا صاحب علم ان پر اعتماد کرتے ہوئے اسی پر اکتفا کرلے گا اور خود بحث وتحقیق نہیں کرے گا، دوسرے آدمی کی کیا بات کی جائے اسی لئے علماء نے ان کے اس عمل پر نکیر ونقد کیا ہے۔

اور ان سے ایسا اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے اکثر روایت کے کسی راوی کے ضعف کو دیکھا ہے اس وجہ سے اس پر وضع کا الزام ہے یا کسی دوسری وجہ سے اور اس کا لحاظ نہیں کیا کہ حدیث کا دوسرا طریق وسند بھی ہے، اور بسا اوقات انہوں نے بعض حضرات کی طرف سے تفرد کے قول پر اعتماد کرلیا ہے جبکہ کہنے والے کا مقصد تفرد نسبی ہے (نہ کہ تفرد مطلق جو عیب ہے جبکہ تفرد نسبی کی یہ حیثیت نہیں ہے)'' (فتح المغیث ۱/۲۵۱)۔

۱۶۔ کذاب ووضاع کا تفرد وضع کو مستلزم نہیں ہے:

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ ''فتح المغیث نی نی میں فرماتے ہیں:

''کسی کذاب بلکہ وضاع کا تفرد یعنی تنہا کسی حدیث کو روایت کرنا، اس کو مستلزم نہیں کہ حدیث موضوع ہو اور موضوع قرار دی جائے، اگرچہ تفرد کی بابت تحقیق میں خوب استقصاء کرلیا گیا ہو اور کسی حافظ حدیث نے کیا ہو جو فن میں متبحر اور احاطہ رکھنے والا ہو اسی لئے کسی حدیث کی بابت متاخرین کی طرف سے حکم لگانا، بہت دشوار ہے۔

ائمہ متقدمین کا معاملہ مختلف تھا کہ حق تعالی نے ان کو علم حدیث میں تبحر عطا فرمانے کے ساتھ حفظ و یادداشت میں بڑے توسع سے نوازا تھا نی نی (فتح المغیث ص ۲۵۱: وظفر الامانی مع التعلیقات عبدالفتاح ص ۴۸۳:)۔

۱۷۔ کتاب ''ترغیب وترہیب نی نی میں منذری کا ضابطہ:

حافظ منذری کا منتخب مجموعہ جو ''الترغیب والترہیب نی نی کے نام سے معروف ہے، منذری نے خود اپنی اس کتاب کے قواعد کو بیان کرتے ہوئے ذکر کیا ہے:

''میرا طریقہ یہ ہے کہ جب حدیث کی سند میں کوئی ایسا راوی ہوتا ہے جس کے حق میں کذاب یا وضاع کہا گیا ہو یا متہم بتایا گیا ہو یا یہ کہ اس کے ضعف یا ترک پر اتفاق ہے، یا ذاہب الحدیث، ہالک، ساقط، لیس بشیئ، ضعیف جدا، یا ضعیف (صرف) کہا گیا ہو یا مجھ کو اس کے بارے میں کوئی توثیق نہ ملی ہو اور نوعیت ایسی ہو کہ اس حدیث کی تحسین کا احتمال وگنجائش ہو تو میں ایسی حدیث کو لفظ ''رُوی نی نی (مجہول کے صیغہ) سے ذکر کرتا ہوں اور راوی کا نام نہیں ذکر کرتا اور نہ ہی اس بات کو کہ اس کے حق میں کیا کہا گیا ہے۔

اس طرح میری اس کتاب میں سند ضعیف کی دو علامتیں ہیں ایک تو لفظ رُوی سے اس

کونقل کرنااور دوسرے اس کے اخیر میں کلام نہ کرنانی نی (الترغیب والترہیب ۱/ ۳۷)۔

حاصل یہ کہ منذری اس کو اس بنیاد پر اور اس حیثیت سے نقل کرتے ہیں کہ موضوع نہیں ہے البتہ ضعیف ہے۔

۱۸ــ منذری نے ترغیب میں موضوع کا تذکرہ نہیں کیا ہے:

امام منذری نے یہ بھی فرمایا ہے:

''میں نے اپنی اس کتاب میں ان احادیث کے ذکر سے اعراض کیا ہے جن کو قطعی طور پر موضوع کہا گیا ہے نی نی (ایضا)۔

۱۹ــ بعض روات جن پر وضع کا الزام واتہام ہے:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ زیادتی توضیح کی غرض سے ایسے بعض روات کا تذکرہ کیا جائے جن کے حق میں اس الزام وعیب کی بات آئی ہے، اور اس کے ساتھ ان کی بعض روایات کا بھی ذکر کیا جائے جن کے بارے میں روات کے اس عیب کے ذکر کے باوجود محض ضعف کو اختیار کیا گیا ہے، وضع کا حکم نہیں لگایا گیا ہے۔

الف ــ ابوبکر بن عبداللہ بن ابی سبرہ:

اس قبیل سے ایک راوی ابوبکر بن عبداللہ بن محمد بن ابی سبرہ قرشی وعامری مدنی ہیں، ابن ماجہ میں شعبان کے روزہ کی فضیلت والی روایت کے ایک راوی یہی ہیں، ''تحفۃ الاحوذی نی نی میں مذکور ہے:

''اس حدیث کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے، اور اس کی سند میں ابوبکر بن عبداللہ بن محمد بن ابی سبرہ قرشی عامری مدنی ہیں، نام میں اختلاف ہے عبداللہ یا محمد، ان کی نسبت ان کے

دادا کی طرف کرتے ہوئے ان کو ابوبکر بن عبداللہ بن ابی سبرہ کہہ دیا جاتا ہے، محدثین نے ان پر وضع کا الزام لگایا ہے، جیسا کہ تقریب میں ہے'' (التقریب ۲/ ۳۹۷)۔

اور ذہبی نے ''میزان نی نی (میزان الاعتدال ۶/ ۱۷۷، ۱۷۸) میں فرمایا ہے:

''بخاری وغیرہ نے ان کی تضعیف کی ہے، اور امام احمد کے دونوں بیٹوں، احمد وصالح نے اپنے والد کا قول نقل کیا ہے کہ یہ شخص حدیث وضع کیا کرتا تھا، نسائی نے ان کو متروک کہا ہے'' (تحفۃ الاحوذی ۳/ ۴۴۲)۔

ب۔ یحییٰ بن العلاء بجلی:

ایسے ایک راوی یحییٰ بن علاء ہیں جو امام عبدالرزاق صنعانی کے شیوخ میں سے ہیں ''تقریب'' میں ان کی بابت مذکور ہے:

''یحییٰ بن العلاء البجلی ابوعمرو ابوسلمہ الرازی ان پر وضع کا الزام ہے اور یہ آٹھویں طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ ابوداود وابن ماجہ نے ان سے روایت لی ہے (التقریب ۲/ ۳۵۵)۔

امام ذہبی نے ''میزان الاعتدال نی نی کے اندر ان کے ترجمہ میں کہا ہے:

''امام احمد کا قول ہے کہ یہ شخص کذاب ہے اور حدیثیں گڑھا کرتا ہے نی نی۔

نیز ''میزان نی نی میں یہ بھی مذکور ہے:

''عبدالرزاق سے منقول ہے کہ میں نے وکیع سے یحییٰ بن علاء کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا: تم ان کی فصاحت زبان سے واقف نہیں ہو؟ میں نے کہا: اس کے ساتھ آپ لوگوں کو ان پر انکار کیوں ہے؟ فرمایا: ان پر (عیب اور وضع کے عیب کے حق میں) یہ کافی ہے کہ انہوں نے کھانا کھاتے وقت جوتے وغیرہ اتار دینے سے متعلق بیس احادیث روایت کی ہیں (اور وہ سب غلط ہیں)'' (میزان الاعتدال ۶/ ۷۱)۔

ابن حبان کا قول ہے : ''ان سے احتجاج درست نہیں ہے نی نی ۔ اور ابن عدی نے کہا ہے : ''ان کی سب روایات غیر محفوظ ہیں'' (تہذیب الکمال ص: ۱۵۱۴)۔

۲۰ — مذکورہ روات کی بعض روایات جن کو موضوع نہیں کہا گیا:

ان دونوں — اور اس قسم کے روات — سے مروی احادیث کی ایک تعداد ایسی ہے کہ جس پر محققین اور افراط وتفریط سے ہٹ کر کام کرنے والے اہل اعتدال محدثین نے وضع کا حکم نہیں لگایا ہے بلکہ بس ان کو ضعیف کہا ہے اور اس بنیاد پر گنجائش اختیار کی ہے اور رکھی ہے۔

الف — نصف شعبان کی رات وروزے کی فضیلت سے متعلق حدیث:

اس سلسلہ کی ایک حدیث ابن ماجہ کی ہے جس کا ذکر پیچھے بار بار آیا ہے جس کو ابن ماجہ نے ''ابواب اقامۃ الصلاۃ باب ما جاء فی لیلۃ النصف من شعبان نی نی میں بواسطہ ابوبکر بن ابی سبرہ جن کا ذکر گذرا یوں روایت کیا ہے:

''حدثنا الحسن بن علی الخلال قال :حدثنا عبد الرزاق قال :أنبأنا ابن ابی سبرہ وھو ابو بکر بن ابی سبرۃ عن إبراھیم بن محمد عن معاویۃ بن عبد اللہ بن جعفر عن ابیہ عن علی بن أبی طالب رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ :

''إذا کانت لیلۃ النصف من شعبان فقوموا لیلھا وصوموا یومھا فإن اللہ ینزل فیھا لغروب الشمس إلی سماء الدنیا فیقول :ألا مسترزق فأرزقہ، ألا مبتلی فأعافیہ، ألا کذا ألا کذا حتی یطلع الفجر''۔

(سنن ابن ماجہ، ابواب اقامۃ الصلاۃ باب ما جاء فی لیلۃ النصف من شعبان ۱/ ۲۳۵ رقم: ۱۳۸۴)۔

پیچھے مولانا حبیب الرحمن اعظمی علیہ الرحمہ کی جس تحریر کا تذکرہ آیا ہے وہ اسی حدیث کی تحقیق سے متعلق ہے، مولانا نے خود اس حدیث کے متعلق جو کچھ فرمایا ہے اس میں یہ بھی ہے:

''کسی نے اس کو ابن ماجہ کی موضوع احادیث میں اور ان کے ساتھ ذکر نہیں کیا ہے''۔

محدث مبارکپوری مولانا عبدالرحمن صاحب کا رجحان بھی یہی ہے کہ اس مضمون کی روایات موضوع نہیں ہیں، وہ فرماتے ہیں:

''یہ احادیث مجموعی طور سے ان لوگوں پر حجت ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ نصف شعبان کی روایت کی فضیلت میں کوئی چیز ثابت نہیں ہے'' (تحفۃ الاحوذی ۳/۴۴۱و۴۴۲)۔

منذری نے اس کو اپنی ''ترغیب'' (الترغیب والترہیب ۲/۱۲۰و۱۲۱) میں ذکر کیا ہے اور اس کتاب کا ضابطہ خود ان سے نقل کیا جاچکا ہے۔ علامہ سیوطی منذری کی بابت لکھتے ہیں:

''اگر کسی حدیث کے متعلق تم کو علم ہو کہ وہ صاحب ترغیب وترہیب — یعنی منذری — کی تصانیف میں ہے تو تم اس کو اطمینان سے روایت کرو نی نی (الرحمۃ المرسلۃ لمحسن الیمانی ص۱۵:)۔

بوصیری نے ''زوائد ابن ماجہ نی نی میں حدیث مذکور سے متعلق کہا ہے:

''اس کی سند ضعیف ہے کہ اس میں ابن ابی سبرہ ہے جس کے بارے میں امام احمد وابن معین نے کہا ہے کہ وہ حدیث وضع کرتا تھا نی نی (زوائد ابن ماجہ ۱/۲۴۷ حدیث ۴۹۲)۔

وضع کے عیب والزام کے ذکر کے باوجود بوصیری نے حدیث کو صرف ضعیف کہا ہے موضوع نہیں کہا ہے۔

ب—نومولود کے کانوں میں اذان واقامت کی حدیث:

اس سلسلہ کی ایک حدیث جو کافی معروف ہے اور حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے — وہ نومولود کے کانوں میں اذان واقامت کہے جانے کی حدیث ہے — کہ وہ ارشاد نبوی نقل فرماتے ہیں:

"من ولد له مولود فأذن فی أذنه الیمنی وأقام فی أذنه الیسری لم یضره أم الصبیان"۔

(عمل الیوم واللیلۃ ص: ۵۷۸ ومجمع الزوائد ۶۲/۴ وتحفۃ المودود ص: ۲۵ ورواہ البیہقی فی شعب الایمان ۱۰۶/۱۱)۔

(جس کے یہاں کوئی بچہ پیدا ہوا اور وہ اس کے داہنے کان میں اذان کہے اور بائیں کان میں اقامت کہے تو اس بچہ کو ام الصبیان (۔۔۔۔۔۔) کی بیماری نقصان نہیں پہنچائے گی)۔

اس کو ابن السنی، ابویعلی اور بیہقی نے روایت کیا ہے اور سب نے یحییٰ بن علاء بجلی رازی کے واسطہ سے لیا ہے جن کا ذکر گذر چکا ہے، اس کے باوجود اس حدیث کو ائمہ امت نے قبول کرتے ہوئے اپنی کتابوں میں اس کا تذکرہ کیا ہے اور اس کے حق میں صرف ضعف کا ذکر کیا ہے وضع کا حکم نہیں لگایا ہے بلکہ ترمذی وغیرہ کی ایک روایت جو اسی مضمون سے تعلق رکھتی ہے اس کے بعض رواۃ کے حق میں کلام کے ساتھ صاحب تحفۃ الاحوذی فرماتے ہیں:

"میں کہتا ہوں کہ یہ صحیح ہے کہ حدیث ضعیف ہے لیکن اس کو تائید وتقویت حاصل ہے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے جس کو ابویعلی موصلی اور ابن السنی نے روایت کیا ہے فی نی (تحفۃ الاحوذی ۱۰۸/۵)۔

امام نووی نے اس کا تذکرہ اپنی "الاذکار" (الاذکار للنووی ص: ۲۴۴) میں اور ابن القیم نے "**تحفۃ المودود فی احکام المولود**" (تحفۃ المودود ص: ۲۵) میں کیا ہے اور شیخ ناصر الدین البانی نے "**سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ**" میں اس کا تذکرہ کیا ہے (سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ رقم الحدیث ۳۲۱:)۔

حافظ ابن حجر نے "تلخیص الحبیر" میں سکوت کے ساتھ ذکر کیا ہے (تلخیص الحبیر ۱۴۹/۴)۔ ہیثمی نے "مجمع الزوائد نی نی میں ذکر کیا ہے اور یہ صراحت کی ہے:

''اس میں مروان بن سالم غفاری ہیں جو متروک ہیں'' (مجمع الزوائد ۴/ ۶۲)۔

اور ہیثمی نے یحییٰ بن علاء کا تذکرہ نہیں کیا ہے، جبکہ احقر یہ محسوس کرتا ہے کہ یحییٰ ان سے بدتر حال رکھتے ہیں کہ ان کے حق میں بڑے سخت الفاظ منقول ہیں (التقریب ۴/ ۳۵۵، وميزان الاعتدال ۶/ ۷۱، تہذیب الکمال ص: ۱۵۱۴)۔

بیہقی نے اپنی شعب الایمان (شعب الایمان ۱۱/ ۱۰۶، ۶/ ۳۹۰) میں اور مناوی نے ''تیسیر شرح جامع صغیر'' (التیسیر شرح الجامع الصغیر ۲/ ۴۴۷) میں اور عبد القادر الارناووط نے نووی کی اذکار کی تحقیق میں اس کے ضعف کی صراحت کی ہے (الاذکار التعلیقات ۱/ ۳۳۰)۔

خلاصہ یہ کہ اس حدیث کو موضوع کے بجائے ضعیف قرار دینے والوں اور اس کو عمل واستحباب کی نسبت وجہت سے ذکر کرنے والوں میں ائمہ فن ونقاد فن ہیں۔ نووی، ابن تیمیہ، ابن قیم، ہیثمی، حافظ ابن حجر وغیرہ (البانی نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے)۔

البتہ خود شیخ البانی کا رجحان ضعف کے بجائے وضع کا ہے جس کو انہوں نے ثابت کرنے کی سعی کی ہے (ملاحظہ ہو ضعیف الجامع الصغیر)۔

۲۱ – وضع کے قرائن:

پیچھے یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ کسی حدیث پر وضع کا حکم لگانے کے لئے صرف اتنا کافی نہیں ہوتا کہ اس کی سند میں کوئی راوی وضاع وکذاب ہے یا اس کے ساتھ متہم ہے بلکہ اس کے لئے مزید کچھ چیزیں بھی دیکھی جاتی ہیں انہیں کو وضع کے قرائن کہا جاتا ہے۔

اور اس تفصیل سے واضح ہے کہ ایک طالب حدیث اور حدیث کی حیثیت کی تحقیق وتوضیح کرنے والے کے لئے کس حد تک یہ ضروری ہے کہ وہ ان امور، قرائن وعلامات اور ضوابط وقواعد سے واقف ہو جن سے وضع کی معرفت اور وضع کا حکم لگانے میں مدد لی جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ علماء حدیث — حدیث کے اصول وضوابط کو بیان کرتے ہوئے علم

مصطلح الحدیث کے تحت حدیث موضوع پر گفتگو میں ان امور و قرائن کو بھی تفصیل سے ذکر کرتے ہیں۔

احقر کی نظر سے اس بابت جو تحریریں اور تحقیقات گذری ہیں بظاہر سب سے اچھی تفصیل شیخ عبدالفتاح ابوغدہ علیہ الرحمہ نے کی ہے جو ان کی کتاب ''لمحات من تاریخ السنۃ وعلوم الحدیث نی نی میں مذکور و مسطور ہے، انہوں نے اپنی اس تحریر میں بحث و مضمون کا بڑا اچھا احاطہ کیا ہے (ملاحظہ ہو لمحات من تاریخ السنہ وعلوم الحدیث ص: ۴۱ تا ۷۴ و ۱۱۷ تا ۱۲۸)۔

ویسے تو اصول حدیث و مصطلح الحدیث کی ہر کتاب میں اس کا تذکرہ ہے، کتاب کی نوعیت، اور مصنف کے مزاج و مقصد کے اعتبار سے، حافظ ابن القیم نے اپنی کتاب ''المنار المنیف فی الصحیح والضعیف نی نی میں ۲۵/ امور کا تذکرہ کیا ہے۔

۲۲ — بعض اہم امور و قرائن کا تذکرہ:

اس موقع سے حافظ ابن العراق کنانی کی کتاب ''تنزیہ الشریعۃ المرفوعہ عن الأخبار الشنیعۃ الموضوعۃ'' میں مذکور تفصیل کا حاصل پیش کیا جا رہا ہے جس کو شیخ عبدالفتاح نے اپنی تحریر میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔

الف — بیان کرنے والے کا خود اقرار کہ اس نے وضع کیا ہے۔

ب — قرینہ بدرجۂ اقرار — اور وہ یہ کہ مضمون کی تاریخ سے تردید و تکذیب ثابت ہوتی ہو۔

ج — ایک جم غفیر راوی کی تکذیب کرے، ایسا مجمع کہ جس کا جھوٹ پر متفق ہونا اور ایک دوسرے سے سن کر و نقل کر کے بیان کرنا عادۃً ناممکن سمجھ میں آتا ہو۔

د — راوی کے اندر پایا جانے والا قرینہ جیسے راوی کا کسی خاص فکر و عقیدہ سے تعلق اور روایت اسی مضمون کی ہو۔

ہ—خود روایت ومضمون کے اندر پایا جانے والا قرینہ، اور وہ یوں کہ عقل صراحۃً اس کی تردید کرے اور اس میں کسی توجیہ کی کوئی گنجائش نہ ہو، اسی طرح حس ومشاہدہ وعرف کی مخالفت کا حال ہے نیز اس کا بھی کہ روایت کا مضمون قرآن کے قطعی مضمون کے خلاف ہو یا سنت متواترہ یا اجماع کے خلاف ہو۔

و—حدیث کا مضمون کسی اہم وعام معاملہ سے متعلق ہو جس سے واقفیت اور نقل ایک مجمع وجماعت کا تقاضا کرتی ہو جب کہ بیان کرنے والا تن تنہا ہو۔

ز—مضمون ایسا ہو کہ تمام مکلفین کو اس سے واقف ہونا چاہئے، پھر بھی راوی بس ایک آدمی ہو۔

ح— لفظ ومعنی کی رکاکت وسطحیت۔

ط—معمولی سے کام پر سخت ترین وعید یا بہت بڑا اجر وثواب۔

ی—تدوین کا عمل مکمل ہو جانے کے بعد بھی روایت سینہ بسینہ کی جارہی ہو اور متون حدیث کی کتابوں میں کہیں اس کا تذکرہ نہ ہو (لمحات من تاریخ السنہ ۱۱۷—۱۲۱ وتنزیہ الشریعہ ۱/۵—۸)۔

۲۳—کسی حدیث پر وضع کا حکم قطعیت نہیں رکھتا:

کسی حدیث کی بابت جو حکم اہل فن لگاتے ہیں وہ ان کی تحقیقات ومعلومات پر مبنی ہوتا ہے اور ان کے غور وفکر یا یوں کہئے کہ اجتہاد سے تعلق رکھتا ہے اس لئے وہ ظن غالب کے درجہ کا ہوتا ہے، اپنے اندر قطعیت نہیں رکھتا، البتہ اس کے ساتھ پائے جانے والے قرائن فیصلے کو قوت وطاقت بخشتے ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"کسی حدیث کے بارے میں وضع کا حکم ظن غالب کی بنیاد پر ہوتا ہے قطعیت کی بنیاد پر نہیں (کہ یہ سمجھا جائے یہ سرے سے بے اصل ہے، بلکہ کچھ احتمال رکھتا ہے اس لئے کہ ظن

غالب کا مرحلہ گنجائش کا مرحلہ رکھتا ہے)۔

یہ فیصلہ قطعی اس لئے نہیں ہوتا کہ جھوٹ بولنے والا (جس کی عادت ومشغلہ ہی جھوٹ کا ہو وہ) بھی کبھی سچ بولتا ہے (تو حدیث کی وضع کا مجرم ضروری نہیں کہ وہ وضع کی بنیاد پر بات کہہ رہا ہو بلکہ دوسروں سے سن کر اعتماد کی بنیاد پر نقل کرنے والا بھی ہوسکتا ہے)۔

تاہم جو محدثین قطعیت کے مرحلے تک پہنچتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کو فن کی بابت ایک قوی ملکہ (خاص اعلی صلاحیت) حاصل ہوتی ہے جس کی بنا پر وہ حق وناحق کا اور ثابت وبے اصل وباطل میں فرق وامتیاز کرتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ یہ کام محدثین میں ایسے حضرات کرتے ہیں جن کی فنی واقفیت انتہائی کامل ومکمل ہوتی ہے، ذہن انتہائی تیز ورسا اور فہم نہایت قوی، اور وضع کو بتانے والے قرائن سے واقفیت بھرپور ہوتی ہے فی فی (نزہۃ النظر ص ۴۴:)۔

۲۴ – مذکورہ ضوابط سے متعلق شیخ عبدالفتاح کا قول:

شیخ عبدالفتاح نے ''لمحات من تاریخ السنہ فی فی میں وضع کے قرائن وضوابط پر تفصیل سے گفتگو کرنے کے بعد اخیر میں فرمایا ہے جو خود ایک بڑا اور اہم ضابطہ ہے:

''یہ جو ضوابط بیان کئے گئے ہیں جو جامع ونافع دونوں ہیں، نیز علامات جو ذکر کی گئی ہیں، جو حق ومضبوط ہیں، یہ ان اہم ترین چیزوں میں ہیں جن سے ایک مسلمان اور طالب حدیث وعلم کو حدیث موضوع سے واقفیت حاصل کرنے میں خاص بصیرت حاصل ہوتی ہے، اور ان سے ان کے اندر اس کی بابت ایک خاص بیداری اور حس پیدا ہوتی ہے جس کی بنیاد پر وہ (ایک صحیح ومحتاط فیصلہ) کسی حدیث کو رد کرنے (موضوع قرار دینے) یا کم از کم اس کے حق میں توقف کا اختیار کرتا ہے، اور ایسا ان احادیث میں ہوتا ہے جن کو ایسے لوگوں نے ایک طرف کر دیا ہے اور ٹھکانے لگا دیا ہے جو فنی بنیاد پر اور احتیاط کی بنیاد پر بات نہیں کرتے بلکہ ظن

تخمین کی بنیاد پر لوگوں کو اپنے فیصلے سناتے ہیں۔

ان علامات وضوابط سے واقفیت اور ان پر عمل کا کم از کم یہ فائدہ ہے کہ یہ ایک عالم وطالب علم کے ذہن کو حدیث صحیح اور حدیث باطل وموضوع کا ایک صحیح ومعتبر معیار عطا کرتے ہیں اور جس کو اپنے علم ومعلومات میں اس قسم کی چیز حاصل ہوجائے تو اس کو علم عظیم اور بڑی دولت مل گئی نی نی (لمحات من تاریخ السنہ ص ۱۲۷:)۔

۲۵ – حدیث موضوع اور حکم وضع سے متعلق واقفیت کا معتبر ذریعہ وافراد:

اس موقع سے ایک بات کا ذکر مناسب ہے اور اس سے واقفیت اور اس کی رعایت ضروری ہے اور وہ یہ کہ کوئی بھی علم وفن ہو اس کے اہل سب یکساں نہیں ہوتے، ہر سلسلہ میں بعض لوگ تشدد پسند اور بعض تساہل برتنے والے ہوتے ہیں جبکہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں اور ضرور ہوتے ہیں جو درمیانی راہ ومزاج نیز اعتدال کے حامل ہوتے ہیں۔

حضرات محدثین اور ان کے نقاد کا بھی یہی حال ہے، اس کی وجہ سے روایات وروات سے متعلق فیصلوں میں اختلاف وتعارض سامنے آتا ہے اور عام طالب علم مشکل میں پڑتا ہے۔

تو احادیث کی صحت وضعف اور ردووضع کے باب میں ایسی صورت حال میں کیا کیا جائے، کیا ہر قول کے ماخذ ودلائل کو دیکھ کر پرکھ کر ترجیح کی راہ اپنائی جائے؟ یا یہ دیکھا جائے کہ کون زمانہ وطبقہ میں سابق ومتقدم ہے؟ یا تعداد کی کثرت دیکھی جائے، یا ہر چیز سے صرف نظر ایک رائے کو دوسری پر مقدم رکھیں، یہ ایک اہم مرحلہ ہے جس سے ایک طالب حدیث کو گذرنا پڑتا ہے۔

۲۶ – اقوال متعارضہ سے نکلنے کا حل:

مولانا عبد الحئی صاحب لکھنوی علیہ الرحمہ کی وقیع کتاب ''الاجوبۃ الفاضلہ للأسئلۃ

العشرہ الکاملۃ'' میں درج یہ چوتھا سوال ہے (الاجوبۃ الفاضلہ ص: ۱۶۰) جس کا مولانا نے تحقیقی وتفصیلی جواب دیا ہے، اور جواب کا حاصل یہ ہے:

''زمانہ کا تقدم، عدد کی کثرت مرتبہ کا تفوق، یہ سب مرجحات میں سے نہیں ہے، بلکہ وجوہ ترجیح دوسرے ہیں، یہ امور صحیح رائے تک پہنچنے میں وجوہ ترجیح کی تائید وتقویت کرتے ہیں نی نی (الاجوبۃ الفاضلہ ص ۱۸۰: و۱۸۱)۔

الف — اعتدال پسند محدثین کی رائے کو ترجیح:

بنیادی شکلیں تعارض کو حل کرنے کی دو ہیں:

پہلی یہ کہ جو طبقہ میانہ روی واعتدال کے ساتھ متصف ومعروف ہے، اس کے قول کو ترجیح دی جائے، کیونکہ بہت سے حضرات جیسا کہ گذرا یا تشدد کی راہ پر ہیں یا تساہل کی، یعنی افراط وتفریط کا شکار، ہم کو ایسی صورت میں یہ دیکھنا ہوگا کہ ضعف وموضوع کا حکم کس طبقہ کی طرف سے ہے، اگر تشدد پسند طبقہ کی طرف سے ہے اور اعتدال پسند طبقہ حدیث کے ثبوت صحت یا حسن کا قائل ہے تو اعتدال پسند طبقہ کی رائے کو اختیار وترجیح ہوگی۔

ایسے میں اگر تساہل پسند طبقہ کی طرف سے صحت وحسن کی بات ہے جبکہ اعتدال پسند طبقہ دوسری رائے رکھتا ہے تو بھی اعتدال پسند طبقہ کی رائے راجح ہوگی (الاجوبۃ الفاضلہ ص: ۱۶۱، ۱۷۹)۔

ب — دلائل ومآخذ میں نظر:

دوسری شکل اس مشکل کے حل کی یہ ہے دونوں قسم کے اقوال کے دلائل وماخذ کو دیکھا جائے اور غور وفکر، دقت نظر سے کام لیتے ہوئے جو رائے مضبوط وقوی ہو اس کو اختیار کی جائے (الاجوبۃ الفاضلہ ص: ۱۸۰)۔

۲۷—متشدد اور متساہل ہر دو طبقہ کے بعض افراد:

جرح وطعن نیز وضع وضعف کا حکم لگانے میں تشدد پر عامل طبقہ میں مذکورہ ذیل حضرات کا شمار ہے ابن الجوزی، عمر بن بدر موصلی، رضی الدین ہندی صاغانی صاحب مشارق الانوار)، ابوعبد اللہ جوزقانی، مجد الدین فیروزآبادی، (صاحب سفر السعادۃ) محمد بن حسین ازدی، ابن حبان (الاجوبۃ الفاضلہ ص: ۱۶۳ تا ۱۷۹) وغیرہ۔

آج کل بھی ایک جماعت اسی طبقہ کی راہ پر گامزن ہے اور ان کی رائے کو پسند کرتی ہے۔ اس جماعت کے پیش نظر ان حضرات کی جلالت قدر ہے اگرچہ بسا اوقات یہ حضرات حدیث کے رد ووضع کا فیصلہ محض ضعف یا عام جرح کی بنیاد پر کیا کرتے ہیں بالخصوص آج کا یہ ذہن کہ ضعیف وموضوع ایک ہی ہے اس نے وضع کے حکم میں بڑا توسع اختیار کرلیا ہے۔

اس کے بالمقابل تساہل پسند طبقہ ہے، جو بڑی آسانی سے حدیث کو ثابت مان لیتا ہے بلکہ صحیح بھی کہتا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ، شاہ ولی اللہ دہلوی، علامہ طاہر بن احمد الجزائری وغیرہ نے ایسے دو طبقہ کا تذکرہ بڑی وضاحت واہمیت کے ساتھ کیا ہے (ملاحظہ ہو فتاوی شیخ الاسلام ۱۳/ ۵۳ ۳ وحجۃ اللہ البالغہ ۱/ ۱۵۶، وتوجیہ النظر ص: ۴۷ و ۷۵ و ۸۲)۔

۲۸—ایک ضروری امر فنی اصطلاحات سے واقفیت:

اس بابت ایک ضروری قابل لحاظ امر یہ ہے کہ ہر فن کی اصطلاحات ہوتی ہیں اور بعض مرتبہ خواص اہل فن اپنی کچھ مخصوص اصطلاحات بنا لیتے ہیں اور ان کو استعمال کرتے ہیں۔

محدثین کے یہاں بھی عمومی وخصوصی اصطلاحات ہیں جن سے وہ کام لیتے ہیں تو طالب تحقیق کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ان اصطلاحات سے واقف ہو جس کو اہل فن حدیث کا حکم

بیان کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں جو حدیث کی صحت وضعف کے بیان کے لئے بھی ہوتا ہے اور وضع وغیرہ کے بیان کے لئے۔

بعض مرتبہ ایک لفظ وتعبیر ایک صاحب فن کے نزدیک جرح وتضعیف کی اور بطلان کے بیان کی ہوتی ہے جبکہ دوسرے کے نزدیک وہی لفظ وتعبیر تعدیل وتوثیق یا اعتماد کے لئے استعمال ہوتی ہے (راجع مقدمہ کتاب المصنوع اور موضوعات صغری علی قاری از شیخ عبدالفتاح)۔

حتی کہ لفظ کذاب ضروری نہیں کہ کذب کے معروف مفہوم یعنی وضع کے لئے استعمال ہو بعض مرتبہ یہ لفظ حطأ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے (قواعد فی علوم الحدیث مع تعلیقات ص ۱۰۵: ۱۰۶)۔

۲۹ — احادیث موضوعہ سے کیسے بچا جائے:

صورت حال یہ ہے کہ احادیث موضوع کا ایک بڑا ذخیرہ ہے جو امت کے درمیان اور امت کے مختلف طبقات کے درمیان پھیلا ہوا ہے اور اس طرح کہ بہت سے لوگ ان کو ثابت ومعتبر اور صحیح مانتے ہیں آخر ان احادیث سے کیسے احتراز وبچاؤ ہو جبکہ علماء محققین کا فیصلہ ان کی بابت وضع کا اور اس کی وجہ سے احتراز وصرف نظر کا ہے تو اس کی دو شکلیں ذکر کی جاتی ہیں:

اول: ان کتابوں کی اشاعت اور تشہیر جن کا مقصد ہی اس قسم کی احادیث کو جمع کر کے نمایاں کرنا ہے، اس سے عوام کے اندر اس بابت بصیرت وواقفیت پیدا کرنے میں بڑی مدد ملے گی۔

دوم: موضوع احادیث سے متعلق کتب کا کثرت سے مطالعہ، ان سے مراجعت اور اچھی واقفیت، کہ اس کی وجہ سے طالب تحقیق کے اندر اس بابت بصیرت پیدا ہوگی اور دوسروں کو دور رکھے گا، بلکہ اس کی وجہ سے اس کے اندر ایک خاص داعیہ وملکہ اس بات کا پیدا ہوگا کہ احادیث نبویہ کو بیان کرنے ونقل کرنے میں خوب اطمینان حاصل کرے۔

حتی کہ بصارت وبصیرت کا یہ صحیح ومفید استعمال طالب کے اندر خود یہ ملکہ پیدا کرے گا

کہ وہ بذات خود باطل وصحیح، اور قوی وضعیف احادیث کے درمیان فرق کر سکے۔

۳۰۔موضوع احادیث سے متعلق اہم کتب:

۱۔تذکرۃ الموضوعات مولفہ حافظ محمد بن طاہر مقدسی م ۵۰۷ھ۔

۲۔ الموضوعات من الاحادیث المرفوعات جس کو کتاب الاباطیل کے نام سے بھی ذکر کرتے ہیں، مؤلف ابوعبداللہ حسین بن ابراہیم جوزقانی م ۵۴۳ھ۔

۳۔الموضوعات مولفہ ابوالفرج عبدالرحمن بن جوزی ۵۹۷ھ۔

۴۔المغنی عن الحفظ والکتاب بقولہم لم یصح شیئ فی ہذا الباب مولفہ حافظ ضیاء الدین ابوحفص عمر بن بدر موصلی م ۶۲۲ھ۔

۵۔المنار المنیف فی الصحیح والضعیف، ابن قیم جوزی م ۷۵۱ھ۔اس کتاب میں مؤلف نے ابن جوزی کی ''الموضوعات نی نی کی تلخیص کی ہے اور اس بابت قواعد وضوابط کے وضع اور ضبط ذکر کا اہتمام کیا ہے اس کی وجہ سے کتاب بڑی جامع ومفید ہے۔

۶۔المقاصد الحسنۃ فی بیان کثیر من الاحادیث المشتہرۃ علی الالسنہ حافظ شمس الدین سخاوی م۔یہ کتاب موضوعات کے ساتھ خاص نہیں لیکن اس میں موضوعات کا کافی حصہ آیا ہے۔

۷۔اللالی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعہ۔

۸۔ذیل الموضوعات، یہ دونوں کتابیں علامہ سیوطی م ۹۱۱ھ۔

۹۔تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الأخبار الشنیعۃ الموضوعۃ۔حافظ ابوالحسن علی بن محمد بن عراق کنانی م ۹۶۳ھ اس کتاب کی ترتیب وتنظیم بہت اچھی ہے، ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں وضاعین کے نام کی ایک مرتب فہرست بھی ہے اور مبسوط مقدمہ بھی بڑا ہی جامع ومفید ہے۔

۱۰۔تمییز المرفوع عن الموضوع جس کو ''موضوعات کبری نی نی بھی کہتے ہیں۔

۱۱ــ المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع جس کو ''موضوعات صغری'' بھی کہتے ہیں، یہ دونوں کتابیں ملا علی قاری ہروی مکی م ۱۰۱۴ھ کی ہیں۔

۱۲ــ کشف الخفاء ومزیل الإلباس عما اشتہر من الأحادیث علی ألسنۃ الناس، علامہ اسماعیل عجلونی م ۱۱۶۲ھ یہ مقاصد حسنہ کے انداز کی کتاب ہے۔

۱۳ــ الفوائد المجموعۃ فی الأحادیث المرفوعۃ علامہ شوکانی ابوعبداللہ محمد بن علی یمانی م ۱۲۵۵ھ۔

۱۴ــ الاحادیث المرفوعۃ فی الأخبار الموضوعہ، علامہ عبدالحی لکھنوی م ۱۳۰۴ھ (لمحات من تاریخ السنۃ وعلوم الحدیث ص ۱۱۳ و ۱۱۴ وعلم اسماء الرجال ص ۲۰۵۔

۳۱ــ اس باب میں عقل حاکم صرف عقل سلیم اور مسلم ہے:

وضع کے باب میں جو ایک قرینہ عقل کی مخالفت کا ہے، کہ جو حدیث صریح عقل کے خلاف ہو اور کسی توجیہ کی اس میں گنجائش نہ ہو سکے تو یہ بھی وضع کی ایک علامت ہے۔

تو یہ جاننا چاہئے کہ اس موقع سے مطلق عقل اور عام عقل مراد نہیں ہے بلکہ وہ عقل جو سلیم ہو اور مسلم ہو۔

عقل سلیم سے مراد ہے ایسی عقل جو ادھر ادھر کے تاثرات سے خالی ہو جیسے آج کل ہر آدمی اپنے ماحول وحالات سے متاثر ہوتا ہے اس کا ذہن ودماغ وعقل سب سوچ ورائے کا ایک خاص نہج رکھتے ہیں، یہ نہ ہو بلکہ فطرت والی عقل ہو (کہا جا سکتا ہے کہ وہ عقل وفطرت جس کا تذکرہ معروف حدیث :''**کل مولود یولد علی الفطرۃ**'' (بخاری، الجنائز) میں کیا گیا ہے)۔

اور عقل کا سلامت کے ساتھ مسلم ہونا بھی ضروری ہے کہ اللہ کی ذات، اس کی صفات پر نیز اس کی کتاب ورسول وغیرہ ایمانیات پر کتاب وسنت اور اہل حق واہل سنت کے عقیدہ کے

مطابق ایمان ویقین ہو، اس لئے کہ بہت سی باتوں کو اس کے بغیر سمجھا نہیں جا سکتا لہذا غیر مومن عقل کا فیصلہ معتبر نہ ہوگا۔

اسی طرح مشاہدہ وعادت کی مخالفت سے ان چیزوں کا استثناء ہے جن کا ثبوت حضور ﷺ کے یا آپ کے صحابہ کے لئے صحت واعتبار کے ساتھ ہے اور اس طور پر کہ وہ خرق عادت وخلاف عادت ہیں۔

یہ تفصیل وقیود اس لئے ہیں کہ اہل حق واہل سنت کے بہت سے معتقدات اور احادیث صحیحہ سے ثابت بہت سے امور ایسے ہیں کہ ان کو وہ عام وعادی عقل انسانی قبول نہیں کرتی جو اللہ تعالی اور اس کی قدرت کاملہ پر ایمان نہیں رکھتی کیونکہ وہ مادیات سے متلوث ہوتی ہے اور شیطانی تصرفات ونفسانی خیالات واحساسات کی گندگی کے زیر اثر ہوتی ہے اس کی وجہ سے وہ کسی چیز کے بارے میں ایسے فیصلہ پر قادر نہیں ہوتی جو اس کے اندر پائے جانے والے مادی رذائل اور مہلک خصائل کے اثر سے خالی ہو۔

ڈاکٹر مصطفی اعظمی تحریر فرماتے ہیں:

''کسی بھی نص (حدیث) کے نقد میں عقل کا استعمال ضرور ہوتا ہے اور ہوا ہے، لیکن حدیث کے قبول ورد میں محدثین عموماً محض عقل پر اعتماد نہیں کرتے، شاذ ونادر کہیں ایسا ہوتا ہے، اور احادیث کے نقد کا عملی طریقہ بھی اسی کو چاہتا ہے کیونکہ حدیث کی جانچ وپرکھ کے معاملات میں عقل کا محض اس کی ذاتی حیثیت سے استعمال محال ہے''۔

اپنے اس قول پر انہوں نے امام شافعی علیہ الرحمہ کے قول سے استدلال کیا ہے اور کہا ہے:

''امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

''حدیث کی صداقت وثبوت اور کذب وعدم ثبوت پر استدلال مخبر — بیان کرنے

والے– کی صداقت وکذب بیانی سے ہی ہوتا ہے۔ بہت کم احادیث ہیں جن میں اس کے بغیر فیصلہ لیا جاتا ہے اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ثبوت وعدم ثبوت پر اس سے استدلال کیا جائے کہ کسی حدیث بیان کرنے والے نے ایسی بات سنائی کہ جس کا ہونا ناممکن ہے یا جو ان باتوں وچیزوں کے خلاف ہے، جو ثبوت وقوت اور دلائل میں اس بیان کردہ سے کہیں فائق ہیں نی نی (منہج النقد عند المحدثین ص۸۱:، والرسالہ ص: ۲۶۵، و۲۶۶ نیز ملاحظہ ہو: ظفر الامانی مع تعلیقات الشیخ عبدالفتاح ص ۲۸۰:)۔

۳۲– وضع کے حکم کے لئے کبھی سند کو ہی دیکھا جاتا ہے:

بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ وضع کی تحقیق وثبوت کا کام صرف اس طرح ہوسکتا ہے کہ حدیث کی سند کو دیکھا جائے اور اس میں غور کیا جائے۔

ابن القیم علیہ الرحمہ نے ایک موقع سے فرمایا ہے:

''حدیث موضوع کی معرفت سند میں نظر وغور کے بغیر بھی بعض ضوابط کی بنیاد پر ممکن ہے نی نی (المنار المنیف ص: ۴۳ومابعد)۔

بیروتی نے تعقب کرتے ہوئے کہا ہے:

''جو حدیث موضوع شریعت مطہرہ کے خلاف ہو اس کے حق میں تو یہ بات صحیح ہے، لیکن نفس حدیث موضوع کی نسبت سے اور مطلقاً یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ حدیث موضوع مختلف قسم کی ہوتی ہے، بعض خلاف شریعت ہوتی ہے، لیکن بعض کا مضمون ومعنی صحیح ہوتا ہے، ایسی حدیث کی وضع کا علم سند ہی کے ذریعہ ہوسکتا ہے، اس لئے کہ اس بابت نقل کا علم وسہارا ضروری ہے نی نی (اسنی المطالب ص: ۲۷۱، لمحات من تاریخ السنہ ص ۱۲۲:)۔

شیخ عبدالفتاح فرماتے ہیں:

''بعض موضوع احادیث کی وضع کا علم صرف سند اور راوی سے واقفیت کی بنیاد پر ہی

ہوتا ہے نی نی (التعلیقات علی لحات من تاریخ السنہ ص: ۱۲۳)۔

''حدیث موضوع سے متعلق اس لمبی گفتگو کو احقر شیخ الاسلام ابن تیمیہ علیہ الرحمہ کے ایک ارشاد پر ختم کرتا ہے وہ اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں:

''جیسے کچھ دلائل کے ذریعہ کسی حدیث کے صدق کو جانا جاتا ہے اور کبھی قطعیت کے ساتھ، اسی طرح کچھ دلائل ہیں جن کے واسطہ سے حدیث کے کذب کو جانا جاتا ہے اور اس بابت قطعیت کی رائے اختیار کی جاتی ہے، مثلاً ان احادیث کا قطعی طور پر موضوع و باطل ہونا جن کو اہل بدعت واہل غلو واضعین نے فضائل کے باب میں روایت کیا ہے نی نی (فتاوی شیخ الاسلام ۱۳/ ۳۵۴)۔

باب دوم

فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل

۱۔فضائل اعمال کے حق میں اعتبار ضعیف کے مذاہب

امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''القول البدیع فی فی میں فرماتے ہیں:

''حدیث ضعیف پر عمل کی بابت تین مذاہب ہیں عمل مطلقاً منع ہے، عمل مطلقاً جائز ہے، فضائل کے باب میں کچھ شرائط کے ساتھ عمل جائز ہے اور یہ جمہور کا مذہب ہے نی نی (القول البدیع ص: ۱۹۵ الاجوبۃ الفاضلہ ص: ۵۰)۔

سخاوی کی صراحت کے مطابق جمہور، اور ابن حجر مکی کی صراحت (الفتح المبین ص: ۳۲ والفتاوی الحدیثہ ص: ۱۳۳) میں اور ملا علی قاری کی صراحت (الموضوعات الکبری ص: ۳۷ والحظ الاوفر ص ۲۹:) کے مطابق علماء امت متفق ہیں کہ فضائل اعمال کے حق میں حدیث ضعیف پر عمل جائز ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''علماء حدیث کے نزدیک اسانید ضعیفہ کے حق میں تساہل، نرم روی، جائز ہے اور موضوع کو چھوڑ کر بقیہ ضعیف روایات کا روایت کرنا اور اس پر عمل کرنا بھی درست ہے اگرچہ ضعف کو بیان نہ کیا جائے بشرطیکہ حدیث کا تعلق حق تعالی کی صفات اور احکام سے نہ ہو نی نی (التقریب مع التدریب ۱/ ۲۹۸)۔

اس جواز کی وجہ یہ ہے کہ اگر حدیث ضعیف نفس الامر میں ثابت ہے تو عمل سے اس کا حق ادا ہو جائے گا اور اگر ثابت نہ ہوئی تو فضائل کے باب میں اس پر عمل کرنے کی وجہ سے کوئی مفسدہ نہیں لازم آئے گا، نہ تحریم وتحلیل کا اور نہ کسی کے حق کے ضیاع کا (الفتح المبین ص: ۳، الاجوبۃ الفاضلہ: ۳۸)۔

امام لکھنوی مولانا عبدالحئی فرماتے ہیں:

''بعض حضرات نے ضعیف پر عمل کو — مطلقاً — منع کیا ہے، لیکن یہ مذہب ضعیف ہے، اور بعض نے مطلقاً — بغیر کسی قید — اس کی اجازت دیدی ہے یہ رائے توسع بیجا ہے، اور بعض حضرات تفصیل کرتے ہیں اور قید کے ساتھ اجازت دیتے ہیں یہی رائے ومشرب پختہ وصائب ہے نی نی (الاجوبۃ الفاضلہ ص: ۵۳، مولانا نے اس موقع سے اس موضوع سے متعلق اقوال کا احاطہ کیا

ہے)۔

بظاہر امام بخاری علیہ الرحمہ کا بھی یہی مذہب ہے اس لئے کہ اپنی کتاب ''الادب المفرد نی نی میں امام بخاری نے بعض ضعیف احادیث (الادب المفرد ملاحظہ ہو: حدیث ۱۲۸، ۴۰ وغیرہ نیز ملاحظہ ہوں: محقق شیخ ومزید تعلیقات الشیخ عبدالفتاح علی ظفر الامانی ص: ۱۸۲ تا ۱۸۴) کا بھی بغرض عمل تذکرہ کیا ہے۔

سعودیہ کی لجنۃ دائمۃ للبحوث العلمیہ کے فتاوی میں آیا ہے:

''فضائل اعمال کے حق میں، حدیث ضعیف پر عمل کیا جاسکتا ہے، جبکہ ضعف شدید نہ ہو اور یہ ثابت ہو کہ بات فی الجملہ فضائل کی ہے اور فضائل کی حد تک ہے اور حدیث ضعیف میں اسی فضیلت کا ذکر ہے نی نی (فتاوی اللجنۃ الدائمہ ۴/ ۹۲، اس فتوی پر شیخ ابن باز وغیرہ کے دستخط ہیں)۔

۲ــ مذہب جمہور کی بنیاد وسند:

جمہور کے مذہب کی اساس متقدمین ائمہ محدثین کی صراحتیں ہیں جیسے عبدالرحمن بن مہدی، احمد بن حنبل، عبداللہ بن المبارک، وغیرہ عراقی نے اس امر کی صراحت کرنے والوں میں ان تینوں حضرات کا تذکرہ کیا ہے، اور الفاظ یہ ہیں: جیسا کہ حلبی نے ''انسان العیون نی نی (انسان العیون ۱/...) میں اور خطیب بغدادی نے ''الکفایۃ نی نی (الکفایۃ ص: ۱۳۴، الاجوبۃ الفاضلہ ص: ۳۶ شرح الفیۃ الحدیث للعراقی ۲/ ۲۹۱، الاجوبۃ الفاضلہ ص ۴۰:) میں ذکر کیا ہے۔

''جب ہم حلال وحرام کی بابت روایت کرتے ہیں تو شدت برتتے ہیں اور فضائل وغیرہ کی روایات میں توسع اختیار کرتے ہیں نی نی (شرح الفیۃ الحدیث للعراقی ۲/ ۲۹۱، الاجوبۃ الفاضلہ ص ۴۰:)۔

عبدالرحمن بن مہدی سے جو الفاظ منقول ہیں وہ تشدد وتوسع کی وضاحت کرتے ہیں:

''جب ہم نبی اکرم ﷺ سے حلال وحرام اور احکام کی بابت روایت نقل کرتے ہیں تو

سندوں میں شدت برتتے ہیں اور روات ورجال کے حق میں نقد کرتے ہیں اور جب فضائل اور ثواب وعقاب کی روایت نقل کرتے ہیں تو سندوں میں نرمی برتتے ہیں اور روات کے حق میں تسامح وتوسع سے کام لیتے ہیں نی نی (فتاوی شیخ الاسلام ۱۸/ ۶۵)۔

۳— اسانید میں تساہل وتوسع سے کیا مراد ہے:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ علیہ الرحمہ نے اس بابت گفتگو کی ہے کہ

ترغیب وترہیب کے باب میں مذکور تساہل ونرم روی سے کیا مراد ہے جیسا کہ بعض دوسرے حضرات نے بھی وضاحت کی ہے، چنانچہ شیخ الاسلام فرماتے ہیں:

''امام احمد نے یہ فرمایا ہے کہ ترغیب وترہیب کا معاملہ ہو تو ہم اسانید میں تساہل کرتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان اسانید سے اور ان اسانید کو نقل کرتے ہیں اگرچہ اس کے روات ورجال ان ثقات میں سے نہ ہوں جو حجت مانے جاتے ہیں نی نی (فتاوی شیخ الاسلام ۱۸/ ۶۶)۔

۴— اس مذہب کی مصلحت وحکمت:

فضائل اعمال میں ضعیف پر عمل کی حجت ووجہ یہ ہے — جیسا کہ گذر چکا — کہ ایک حدیث جو بظاہر ضعیف ہے اور جس پر ہم عمل کرتے ہیں اگر وہ نفس الامر وواقع میں ثابت ہو تو اس کا حق ادا ہو جاتا ہے اور اگر وہ واقع میں ثابت نہ ہو تو اس پر کسی قسم کا دینی یا دنیوی مفسدہ نہیں مرتب ہوتا اس وجہ سے کہ اس پر عمل محض فضل وفضیلت کی جہت سے ہوتا ہے نہ کہ اس حیثیت سے کہ اس سے اصل عمل کا ثبوت ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اپنے فتاوی میں اسی کو واضح کرتے ہوئے یوں فرمایا ہے:

''فضائل اعمال کے حق میں حدیث ضعیف پر عمل کا جو جواز ومذہب (عام) علماء کا

ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ حدیث ضعیف غیر حجت سے کسی عمل کا استحباب ثابت کیا جارہا ہے جو دلیل شرعی کے بغیر ثابت نہیں ہوسکتا۔

اور جو آدمی بغیر کسی دلیل شرعی کے کسی عمل کی بابت کہتا ہے کہ فلاں عمل کو اللہ تعالی پسند فرماتے ہیں تو اللہ کی شریعت میں ایسی چیز کی ایجاد کرتا ہے جو شریعت سے باہر ہے اور جس کی حق تعالی نے اجازت نہیں دی ہے۔

یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ اپنی طرف سے یا ایسی حدیث کی بنیاد پر حرمت و وجوب کو ثابت کرے۔ استحباب بھی (وجوب وحرمت کی طرح) ایک حکم ہے اس لئے علماء استحباب کے بارے میں بھی دوسرے امور کی طرح اختلاف کرتے ہیں بلکہ استحباب دین وشرع کی ایک اصل واساس ہے (کہ بہت سی چیزیں صرف اسی درجہ ومرتبہ میں رکھی گئی ہیں)۔

علماء کی اس اجازت ورائے کا مطلب یہ ہے کہ ضعیف حدیث ایسے عمل سے متعلق ہو جس کا ثبوت کہ دوسرے دلائل سے موجود ہو کہ اللہ تعالی اس کو پسند فرماتے ہیں یا ناپسند کرتے ہیں اور یہ ثبوت کسی نص (قرآنی یا حدیثی) سے ہو یا اجماع سے، جیسے قرآن کریم کی تلاوت، تسبیح، دعاء وصدقہ، غلام کی آزادی اور دیگر حسن سلوک وغیرہ۔

تو جن اعمال کا استحباب یا کراہت ثابت ہو ان سے متعلق اگر کوئی حدیث فضیلت کے بیان میں یا ثواب کے بیان میں آئے، اسی طرح ناپسندیدگی وسزا کے بیان میں آئے او راس میں ثواب یا سزا کی شکل یا مقدار کا بیان ہو اور ہم کو اس حدیث کے موضوع ہونے کا علم نہ ہو تو ایسی حدیث ضعیف کی روایت درست ہے اور اس پر عمل بھی جائز ہے، اس حیثیت ونسبت سے کہ آدمی اس عمل کی بنا پر اس حدیث میں مذکور ثواب کی امید کرے یا سزا کا خوف کرے نی نی (فتاوی شیخ الاسلام ۱۸/ ۶۵، ۶۶)۔

نیز شیخ الاسلام یہ بھی فرماتے ہیں:

''جوحضرات یہ کہتے ہیں کہ احادیث ضعیفہ پر فضائل اعمال میں عمل کیا جائے گا تو مطلب یہ ہے کہ ان امور پر عمل جن کا تذکرہ ایسی احادیث میں ہوتا ہے مثلاً تلاوت، ذکر، اور ان برے امور واعمال سے اجتناب واحتراز جن کا ذکر ان احادیث میں ہوتا ہے۔ خلاصہ وحاصل یہ کہ حدیث کی روایت استحباب (وکراہت) کے اثبات کے لئے نہیں بلکہ ترغیب وترہیب کے لئے ہو، اور عمل بھی اسی جہت سے ہونی نی (فتاوی شیخ الاسلام ۱۸/ ۶۶)۔

کچھ لوگ اس مضمون کی ایک روایت کا بھی تذکرہ کرتے ہیں جس کی نسبت شیخ الاسلام نے سنن ترمذی کی طرف کی ہے لیکن وہ اس میں نہیں ہے، اس حدیث پر البانی اور عجلونی نے تفصیل سے کلام کیا ہے (ملاحظہ ہو: سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ رقم: ۴۵۱، ۴۵۲ وکشف الخفاء ۲/ ۲۴۶ و ۲۳۷)۔

۵ــ حدیث ضعیف پر عمل کا جواز صرف فضائل کی حد تک ہے:

حدیث ضعیف پر عمل کا جواز جس کا تذکرہ پیچھے تفصیل سے آیا اور جس پر علماء کا اتفاق ہے یا جو جمہور کا مذہب ہے یہ عمل فضائل اعمال اور اس قبیل کی چیزوں کے ساتھ خاص ومختص ہے، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ ''اذکار نی میں فرماتے ہیں:

''حدیث ضعیف اگر موضوع نہ ہو تو اس پر فضائل، اور ترغیب وترہیب کے باب میں عمل کیا جاسکتا ہے نی نی (الاذکار ص ۷:)۔

یعنی جیسا کہ پیچھے شیخ الاسلام وغیرہ کی تحریر میں آیا کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس سے استقلالاً کوئی حکم جائز یا ناجائز ثابت کیا جائے بلکہ دوسرے دلائل سے ثابت جائز عمل سے متعلق فضیلت اور اجر وثواب کے بیان میں اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

اسی طرح جس چیز کا عدم جواز دوسرے دلائل سے ثابت ہے اس سے متعلق وعید اور سزا وعقاب کے بیان ولحاظ میں اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

۶ــ فضائل میں حدیث ضعیف پر عمل کے شرائط کا بیان:

فضائل کے باب میں حدیث ضعیف پر عمل کا جواز جس کا تذکرہ کیا گیا، جمہور کے نزدیک یہ مطلق نہیں بلکہ مقید ہے اور اس کے کچھ شرائط ہیں اور مشہور ہے کہ یہ شرطیں تین ہیں جن کو یکجائی طور پر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی مرتبہ اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے، بعد کے حضرات نے ان کے بیان میں انہیں کی اتباع وتقلید کی ہے جیسا کہ سیوطی نے ''تدریب الراوی نی نی میں صراحت کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

''ابن الصلاح ونووی نے اس بابت صرف ایک شرط — جو بنیادی ہے— ذکر کی ہے وہ ہے حدیث کا فضائل سے متعلق ہونا'' (تدریب الراوی ۱/ ۲۹۸)۔

حافظ ابن حجر کی ذکر کردہ تینوں شرطوں کو ان کے ممتاز شاگرد علامہ سخاوی نے اپنی کتاب ''القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع نی نی میں نقل کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

''میں نے اپنے شیخ ابن حجر کو بار بار یہ کہتے سنا:

''ضعیف پر عمل کی تین شرطیں ہیں:

اول: ضعف شدید نہ ہو، لہذا وہ احادیث اس سے باہر ہیں جن کو تنہا کوئی ایسا راوی نقل کرے جو کذابین و متہمین میں سے ہو یا جو کثرت سے غلطی کرتا ہو۔

دوم: حدیث اپنے مضمون میں کسی اصل عام کے تحت داخل ہو لہذا وہ حدیث اس سے خارج ہے جس کا تعلق ایسے امور سے ہو جو ایجادی واختراعی ہوں اور ان کی شریعت میں کوئی اصل نہ ہو۔

سوم: عمل اس حیثیت سے نہ ہو کہ اس کے ثبوت وصحت کا عقیدہ رکھا جائے تا کہ نبی کریم ﷺ کی طرف ایسی چیز کی نسبت نہ ہو جو آپ ﷺ نے نہیں فرمائی نی نی (القول البدیع ص ۱۹۵: ، تدریب الراوی ۱/ ۲۹۸ و ۲۹۹، والاجوبۃ الفاضلہ ص ۴۱:)۔

ان تین شرطوں میں سے پہلی تو متفق علیہ ہے جیسا کہ علائی نے ذکر کیا ہے، اور سخاوی

نے بھی اتفاق نقل کیا ہے اس شرط کو ابن صلاح ونووی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

اور دوم وسوم کو عزالدین بن عبدالسلام اور ابن دقیق نے ذکر کیا ہے (یہ تفصیل حافظ ابن حجر نے بھی کی ہے (الاجوبۃ الفاضلہ ص: ۴۱-۴۴) نیز ملاحظہ ہو: القول البدیع ص: ۱۹۵، التدریب ۱/ ۱۹۶)۔

۷- شروط مذکورہ کی وضاحت:

مذکورہ شروط کی ایک درجہ وضاحت گذشتہ تفصیلات وتصریحات میں آ گئی ہے اور یہ شروط متاخرین کے درمیان معروف بھی ہیں لیکن بہتر معلوم ہوتا ہے کہ کچھ مستقلاً اس بابت عرض وذکر کر دیا جائے۔

شرط اول: پہلی شرط ہے شدت ضعف سے خالی ہونا اور ''شدید الضعف نی نی وہ حدیث کہلاتی ہے جس کا ضعف ایسا ہوتا ہے کہ تعدد طرق وغیرہ سے اس کی تقویت نہیں ہوتی اور اس کی وجہ سے وہ قبولیت کے آخری درجہ ''حسن لغیرہ نی نی تک نہیں پہنچ سکتی اس کے روات ایسے لوگ ہوتے ہیں جو وضع وکذب کے ساتھ متہم وموصوف ہوتے ہیں اسی طرح وہ غلطی کی کثرت نیز اختلاط، سوء حافظہ کے شکار ومتصف ہوتے ہیں۔

تیسری شرط: تیسری شرط یہ ہے کہ ایسی حدیث ضعیف پر عمل احتیاط کی بنیاد پر ہو، اعتقاد کی بنیاد پر نہیں یعنی پیش نظر یہ بات ہو کہ حدیث رسول ﷺ ہے اگرچہ ضعیف ہے مگر موضوع نہیں ہے، لہذا احتیاط اس میں ہے کہ اس کو ترک نہ کیا جائے، یہ بات نہ ہو کہ اس کو ثابت ہی مانا جائے، اور یہ سمجھا جائے کہ آدمی اگر اس پر عمل نہیں کرے گا تو ملامت یا سزا کا مستحق ہوگا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''اس قسم کی حدیث کو روایت کیا جائے اور ترغیب وترہیب میں اس پر عمل کیا جائے، اس سے استحباب کو ثابت نہ کیا جائے، اور نہ اس کے موجب ومضمون کا اعتقاد ویقین کیا

جائے یعنی اس حدیث میں جوثواب کی نوعیت ومقدار بیان کی گئی ہے اس کا یقین نہ کیا جائے، کیونکہ اعتقاد ویقین دلیل شرعی کی بنیاد ہوتا ہے (اور حدیث ضعیف کی یہ حیثیت نہیں ہے)'' (فتاوی شیخ الاسلام ۱۸/ ۶۸)۔

دوسری شرط: دوسری اور نہایت اہم شرط یہ ہے کہ حدیث کا مضمون کسی اصل کلی سے تعلق رکھتا ہو یعنی اس کا موضوع ایسا ہو جو کہ بنیادی طور پر شریعت سے کتاب وسنت سے ثابت ہو، خواہ کرنے کی حیثیت سے کہ اس کو اپنانے کا حکم ہو یا نہ کرنے کی نسبت سے کہ اس سے بچنے ودور رہنے کا حکم ہو۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اس کی وضاحت میں فرماتے ہیں:

''علماء نے جو حدیث ضعیف پر عمل کی جو اجازت دی ہے، تو ان کا مطلب یہ ہے کہ اصل عمل (جس کا ایسی حدیث میں تذکرہ ہے) اس کے متعلق دوسرے دلائل سے یہ ثبوت ہو کہ حق تعالی اس کو پسند کرتے ہیں یا ناپسند کرتے ہیں خواہ یہ ثبوت نص کتاب وسنت سے ہو یا اجماع سے ہو جیسے قرآن کریم کی تلاوت، ذکر وتسبیح، دعاء وصدقہ، غلاموں کی آزادی اور عام حسن سلوک وغیرہ اسی طرح جھوٹ وخیانت وغیرہ کی ناپسندیدگی۔

لہذا جب کوئی حدیث کسی مستحب عمل کی فضیلت وثواب کے بیان میں وارد ہو یا بعض برے اعمال کی ناپسندیدگی وسزا کے ذکر میں وارد ہو اور ہم یہ جانتے ہوں کہ موضوع نہیں ہے تو اس کی روایت اور اس پر عمل جائز ہے۔

اور اگر فضائل سے متعلق ضعیف حدیث میں کسی چیز کا شکل ومقدار میں تحدید وتعیین کے ساتھ تذکرہ ہو (اسی طرح اس کا برعکس) مثلاً کسی خاص وقت میں مخصوص قراءت یا خاص کیفیت کے ساتھ نماز تو اس حدیث پر عمل جائز نہ ہوگا، اس لئے کہ اس خصوصی کیفیت ووقت کا استحباب کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے نی نی (فتاوی شیخ الاسلام ۱۸/ ۶۵)۔

مثلاً اشراق و چاشت کی نماز کہ نفس نماز کا بنیادی طور پر احادیث صحیحہ ومعتبرہ سے ثبوت ہے، تو اس کی فضیلت میں ضعیف روایت قابل لحاظ وقابل عمل ہے لیکن کسی روایت ضعیفہ میں اگر اس کے متعلق کیفیت وقراءت کا خصوصی تذکرہ ہو تو وہ اس تفصیل سے الگ ہوگئی۔

شیخ نورالدین عتر اس شرط کی وضاحت اور اس خیال کی تردید کرتے ہوئے کہ حدیث ضعیف پر فضائل اعمال کے باب میں بھی عمل ایک عبادت کی ایجاد واختراع اور دین میں تشریع واحداث یعنی بدعت ہے، فرماتے ہیں:

''یہ استحباب (جس کا لحاظ حدیث ضعیف پر عمل میں پیش نظر ہوتا ہے ــ نفس استحباب) شریعت کے دوسرے قواعد سے معلوم وثابت ہے اور وہ ہے دین میں احتیاط کا استحباب ولحاظ (کہ کہیں کوئی کوتاہی وخلاف ورزی نہ ہونے پائے) اور حدیث ضعیف پر اس حال میں عمل اسی قبیل کی چیز ہے اس لئے ایسی صورت میں حدیث ضعیف کی بنیاد پر کسی شرعی چیز کے ثابت کرنے کا مسئلہ نہیں ہوتا۔

اور میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ حدیث ضعیف پر عمل کے جو شرائط ہیں ان کو اچھی طرح دیکھنے وجاننے والا واضح طور پر وہ بات سمجھتا ومحسوس کرتا ہے جو اس خیال کی تردید کرتی ہے کہ یہاں اور ایسی صورت میں شریعت میں کسی نئی چیز کو ثابت کرنا مقصود ہے۔

کیونکہ ان حضرات محدثین نے شرط یہ لگائی ہے کہ حدیث کا مضمون ایسا ہو جو شریعت سے ثابت عمومی واصولی چیزوں میں سے کسی اصل سے متعلق ہو۔ تو ایسی صورت میں اصل مشروعیت تو عام اصل شرعی سے ثابت ہوتی ہے اور پیش نظر حدیث ضعیف (صرف) اس کی مؤید ہوتی ہے نی نی (منہج النقد عند المحدثین ص ۲۹۴:)۔

۸ــ فضائل اعمال سے کیا مراد ہے؟

فضائل اعمال جن کے حق میں حدیث ضعیف پر عمل کی اجازت وجواز کا تذکرہ چل رہا

ہے، بظاہر اور عموماً یہ سمجھا جاتا ہے اور سمجھ میں آتا ہے کہ اس سے مراد اوامر وامتثال کا باب ہے اور مطلب یہ ہے کہ جن چیزوں پر ہم سے عمل مطلوب ہے اور ہم کو حکم ہے ان کی فضیلت وترغیب میں حدیث ضعیف پائی جائے تو اس پر عمل کیا جائے گا اور نواہی وممنوعات سے اس کا تعلق نہیں کہ جن چیزوں کی ممانعت اور ان سے دور رہنے کا حکم ہے، ان سے متعلق یہ بات نہیں ہے۔

لیکن حقیقت یہ نہیں کہ بلکہ یہاں مراد عام ہے اوامر ونواہی کرنے ونہ کرنے دونوں قسم کے اعمال سے اس حکم کا تعلق ہے کیونکہ لفظ فضائل جو فضیلۃ کی جمع ہے یہاں معروف مفہوم میں نہیں جس کا ماخذ لفظ فضُل (ضاد کے پیش کے ساتھ) ہے بلکہ یہ فضَل (ضاد کے زبر کے ساتھ) ہے جس کے معنی زائد ہونے کے ہیں، فضُل کا مصدر فضولا اور فضَل کا فضلاً ہے (المعجم الوسیط)، اور یہ زائد وزوائد کے مفہوم میں ہے یعنی فرائض وغیرہ سے جو امور زائد ومزید ہیں خواہ کرنے کے ہوں یا نہ کرنے کے۔

اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ معروف مفہوم میں اور فضَل (ضاد کے زبر) سے ہے لیکن تغلیباً اس کا تعلق دونوں قسم کے امور سے ہے، البتہ چونکہ زیادہ تر اس قسم کی احادیث کا تعلق کرنے کے امور اور مستحب، وپسندیدہ اعمال سے ہے اور دوسری قسم کے یعنی ممنوع وناپسندیدہ اعمال سے کم ہے، تو جو زیادہ ہے اس کا اعتبار کرتے ہوئے یہ تعبیر استعمال کی گئی ہے۔

اور چونکہ مراد عموم ہے، اسی لئے یوں کہا کرتے ہیں کہ:

''فضائل اعمال خواہ مستحبات میں سے ہوں یا مکروہات میں سے، دونوں کے حق میں حدیث ضعیف پر عمل پسندیدہ ہے نی نی، جیسا کہ گذشتہ سطور میں آچکا ہے۔

اسی نسبت سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے الفاظ آئے ہیں: جب بعض مستحب اعمال کی فضیلت وثبوت میں یا بعض اعمال کی کراہت وسزا میں کوئی حدیث ضعیف وارد ہو الخ نی نی (فتاوی شیخ الاسلام ۱۸/ ۶۵، ۶۶)۔

اور مراد کے عموم کی وجہ سے اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے لفظ ''ترغیب وترہیب فی فی کو محدثین نے ذکر کیا ہے، کبھی لفظ فضائل کے ساتھ اور کبھی اس کے بغیر بھی (ملاحظہ ہوں گذشتہ حوالہ جات)۔

نیز مولانا عبد الحئ صاحب لکھنوی نے اپنی کتاب ''ظفر الامانی بشرح مختصر الجرجانی فی فی کے اندر فضائل اعمال میں حدیث ضعیف کو قبول کرنے کا کیا مطلب ہے؟ اس بابت علماء کا اختلاف ذکر کرتے ہوئے دو قول ذکر کئے ہیں ایک تو یہ کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب نفس استحباب کا اثبات ہے، اور دوسرا قول جو ذکر کیا ہے جو اکثر کا ہے وہ ہے:

''اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اعمال جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں ان کے حق میں حدیث ضعیف کو اس اعتبار سے قبول کرنا کہ جب کوئی حدیث ضعیف ایسی پائی جائے جو کسی مخصوص ثواب یا مخصوص عقاب وسزا کو بتاتی ہو اور ایسے کسی عمل کے بارے میں ہو جو دوسرے دلائل سے ثابت ہو تو ایسی حدیث کو قبول کیا جائے گا، اس لئے کہ اس صورت میں اصل عمل او راس کا استحباب تو دوسرے دلائل سے ثابت ہے (حدیث ضعیف سے نفس عمل واستحباب کا ثبوت نہیں بلکہ صرف اس کی خاص فضیلت کا)'' (ظفر الامانی ص: ۱۹۰)۔

۹ــ مثالیں:

جن حضرات نے اس موضوع پر تفصیل سے کلام کیا ہے انہوں نے مثالوں کا بھی تذکرہ کیا ہے، چنانچہ مولانا عبدالحئ صاحب نے ایسی حدیث ضعیف کی چند مثالیں ذکر کی ہیں جن پر مذکورہ تینوں شرطیں منطبق ہیں اور اس کی وجہ سے باب فضائل میں ان پر عمل جائز سمجھا گیا ان احادیث میں ایک اذان میں ترسل (ٹھہراؤ اختیار کرنے) کی حدیث ہے اور ایک وضو میں گردن پر مسح کی (الاجوبۃ الفاضلہ ص: ۴۴ــ۴۶)۔

لیکن احقر کو ان مذکورہ مثالوں میں تامل ہے، وجہ یہ ہے کہ مذکورہ دونوں امور ترسل

اور گردن کا مسح یہ دونوں از قبیل احکام ہیں اور ہمارا نیز مولانا کا موضوع فضائل سے متعلق حدیث ضعیف اور اس پر عمل کی مثال ہے تو مثالیں بھی فضائل کو بتانے والی مطلوب ہیں نہ کہ احکام کی، اور مذکورہ دونوں امور نیز ان جیسے دیگر امور کو فقہاء نے مستحبات میں (یعنی مستقل حکم کی حیثیت سے نہ کہ فضل وفضیلت کی نسبت سے) ذکر کیا ہے اور مستحب جیسا کہ معلوم ہے احکام کی معروف پانچ اقسام میں سے ہے (الموجز فی اصول الفقہ ص: ۴۸)۔

چنانچہ مولانا عبدالحئی صاحب نے بھی ''الاجوبۃ الفاضلہ فی نی میں اس موضوع پر گفتگو کے ضمن میں اعتراض کا ذکر کیا ہے (الاجوبۃ الفاضلہ ص: ۵۳)۔

پھر جبکہ مثال میں ذکر کردہ دونوں حدیثیں ترسل ومسح کی ان کے اندر کسی فضل وفضیلت کا ذکر نہیں ہے بلکہ ترسل کی حدیث میں حضرت بلال کے لئے اس کا حکم مذکور ہے (جامع الاصول ۵/ ۲۹۲، رواہ الترمذی فی ابواب الأذان)۔ اور مسح کی حدیث جو مسند احمد وغیرہ کی ہے اس میں نبی ﷺ کا فعل مذکور ہے (مسند احمد ۳/ ۴۸۱ وراجع نیل الاوطار ۱/ ۲۱۹، ۲۲۰)۔

اس لئے مثال میں تو ایسی حدیث مطلوب ہے جس میں دوسرے دلائل سے ثابت کسی عمل کے لئے فضیلت اور خصوصی ثواب کا تذکرہ ہو جیسے قرآن کریم کی سور وآیات کی فضیلت اور اجر وثواب کی احادیث۔

لہذا مسح رقبہ کی حدیث اگر ذکر ہی کرنی ہے تو وہ حدیث موقع کے مناسب ہے جس کو مولانا لکھنوی نے خود بھی اخیر میں ذکر فرمایا ہے جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے اور جس کو دیلمی نے روایت کیا ہے۔

''**مسح الرقبة أمان من الغل يوم القيامة**'' (رواہ الدیلمی فی الفردوس کما ذکر فی تخریج الاحیاء وکشف الخفاء)۔

(گردن کا مسح، قیامت کے دن گردن کے طوق سے امان کا ذریعہ ہوگا)

یہ حدیث بیان فضیلت پر مشتمل ہے، اصل حکم پر نہیں، اور ضعیف ہے، جیسا کہ عراقی نے ''تخریج احیاء'' میں (تخریج احادیث الاحیاء ۲/۴۶، الاجوبۃ الفاضلۃ تعلیقات ص: ۴۶) میں اور زبیدی نے ''اتحاف السادۃ المتقین'' میں کہا ہے (اتحاف السادۃ المتقین ۲/۳۲۵)۔

البتہ اس بابت ایک مرسل روایت بھی ہے جو صحیح ہے جیسا کہ مولانا ظفر احمد تھانوی علیہ الرحمہ نے ذکر کیا ہے (اعلاء السنن ۱/۶۷ تا ۶۹)۔

مرسل حدیث کو حافظ ابن حجر نے ''تلخیص الحبیر'' میں نقل کیا ہے اور فرمایا ہے:

''اس حدیث میں گنجائش ہے یہ کہنے کی کہ یہ اگرچہ سنداً موقوف ہے لیکن حکماً مرفوع ہے اس لئے کہ اس قسم کی بات عقل واجتہاد کی بنیاد پر نہیں کہی جاسکتی اور موقوف ہونے کے ساتھ یہ مرسل بھی ہے'' (تلخیص الحبیر ۱/۹۲)۔

اس حدیث کی بابت ایک جماعت کا موقف وضع کا بھی ہے، امام نووی وغیرہ سے ایسا ہی منقول ہے لیکن کچھ حضرات ضعف کے ساتھ ثبوت کے قائل ہیں (کشف الخفاء ۲/۲۰۸، اس کی تفصیلی تخریج کے لئے ملاحظہ ہو: حاشیہ الاجوبۃ الفاضلۃ ص ۴۵: و ۴۶)۔

۱۰- ایک مثال شروط کی تطبیق کے ساتھ:

شیخ نور الدین عتر نے اس کی مثال میں ابن ماجہ کی حدیث ذکر کی ہے جس میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد آیا ہے:

''**من قام لیلتی العیدین یحتسب اللّٰہ لم یمت قلبہ یوم تموت القلوب**'' (ابن ماجہ کتاب الصیام باب فیمن قام لیلتی العیدین)۔

(جس آدمی نے عیدین کی رات کو محض اللہ کی رضا کے لئے زندہ کیا کہ راتوں کو نمازیں پڑھیں اس کا دل اس دن مردہ نہیں ہوگا جس دن سارے دل مردہ ہوجائیں گے)۔

یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ بوصیری وغیرہ نے کہا ہے (حاشیہ ابن ماجہ نسخہ مصطفی

اعظمی)۔

شیخ نورالدین فرماتے ہیں:

''علماء کہتے ہیں کہ عیدین کی راتوں کا احیاء، ذکر وغیرہ طاعات وعبادات کے ذریعہ مستحب ہے، اور دلیل یہ حدیث ضعیف ہے، کیونکہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل کیا جاتا ہے جیسا کہ امام نووی نے ذکر کیا ہے نی نی۔

آگے شیخ فرماتے ہیں:

''ہم کو معلوم ہے کہ شب بیداری اور راتوں میں عبادت کی تحریض وترغیب قرآن کریم اور سنت متواترہ میں ہے اور حق تعالی سے قرب حاصل کرنے کی سعی ذکر ودعا وغیرہ کے ذریعہ ہر وقت وہر حال میں اس کی رغبت دلائی گئی ہے تو یہ دونوں امور اپنے عموم کے تحت عیدین کی راتوں اور ان میں اہتمام طاعت وعبادت کو شامل ہیں جس کی فضیلت (مذکورہ حدیث ضعیف میں) ذکر کی گئی ہے نی نی (منہج النقد فی علوم الحدیث ص:۲۹۵)۔

مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق نصف شعبان کی رات کی نماز وعبادت کی روایات بھی اسی قبیل کی ہیں، شب بیداری کی عمومی فضیلت وحکم معلوم ومعروف ہے، نصف شعبان کی روایات اسی عموم کے تحت آتی ہیں جبکہ نصف شعبان کی روایات کافی تعداد میں ہیں نی نی (روایات کے لئے ملاحظہ ہو: تحفۃ الاحوذی ۳/۴۴۱، ۴۴۲)۔

ایسے ہی بعد مغرب دو سنت مؤکدہ کے علاوہ مزید نماز ورکعات سے متعلق روایات بھی مذکورہ عموم کے تحت داخل ہو کر بدرجہ فضل وفضیلت اعتبار کی حیثیت رکھتی ہیں (روایات ترمذی وغیرہ میں آئی ہیں ملاحظہ ہو: جامع الاصول ۹/۴۰۳)۔

باب سوم

حدیث ضعیف مُتَلَقّٰی بالقبول

یعنی وہ حدیث ضعیف جس کو فی الجملہ مقبولیت حاصل

ہو

فن کا یہ مسئلہ اتفاقی اور اختلاف سے خالی ہے کہ حدیث ضعیف کی نوعیت جب ایسی ہو کہ علماء امت اور مجتہدین کے یہاں وہ مقبول ومعروف ہوتو وہ ضعیف مطلق اور ضعیف محض کے حکم سے نکل جاتی ہے اور وہ اعتبار واعتماد کی ایک خاص نوعیت وحیثیت حاصل کرلیتی ہے۔

۱۔ضعیف متلقی بالقبول کی تعریف:

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ''نظم الدرر'' کی شرح میں ایسی حدیث ضعیف جس کو تلقی بالقبول حاصل ہو اس کی تعریف وتوضیح میں فرماتے ہیں:

''حدیث ضعیف متلقی بالقبول وہ حدیث ہے جس کو علماء نے قبول کے ساتھ لیا ہو اگر چہ اس کی کوئی سند صحیح نہ ہو یا ائمہ حدیث کے نزدیک ودرمیان وہ معروف ومشہور ہو اور اس پر ان کے درمیان اور ان کی طرف سے کوئی نکیر نہ ہوئی ہو'' (الرحمۃ المرسلہ للیمانی، الاجوبۃ الفاضلہ، التعلیقات ص۲۲۹:)۔

اور سیوطی سے یوں بھی منقول ہے:

''کسی حدیث کو جب لوگ ۔علماء۔ قبولیت کے ساتھ لیں تو اس کو صحیح قرار دیا جاتا ہے، اگر چہ اس کی کوئی اسناد صحیح نہ پائی جاتی ہو'' (تدریب الراوی ۲/۶۷)۔

۲۔اس بابت ائمہ فن کی تصریحات:

الف۔اسفرائینی وابن فورک کا قول:

شیخ محسن یمانی نے اپنے رسالہ التحفۃ المرضیۃ میں اسفرائینی وابن فورک کا قول نقل کیا ہے:

''جب کوئی حدیث ائمہ حدیث کی طرف سے کسی نکیر کے بغیر ان کے درمیان مشہور ہوتو اس سے حدیث کی صحت کا علم ہوتا ہے نی نی (التحفۃ المرضیۃ، الاجوبۃ الفاضلہ، التعلیقات ص: ۲۳۱، نیز ملاحظہ ہو: النکت علی ابن الصلاح ص: ۳۷۳، وتوضیح الافکار ۱/ ۱۲۵)۔

ب— حافظ ابن حجر:

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ''النکت علی ابن الصلاح نی نی میں فرماتے ہیں:

''حدیث کے قبول کی صفات واحوال میں سے یہ بھی ہے کہ علماء کسی حدیث کے مدلول کے مطابق عمل پر متفق ہوں، ایسی حدیث مقبول قرار پاتی ہے، ائمہ اصول کی ایک جماعت نے اس کی صراحت کی ہے نی نی (النکت علی ابن الصلاح ص ۴۹۴:)۔

ج— علامہ باقلانی:

علامہ باقلانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''امت — یعنی علماء امت — یا بہت سے لوگ کہ جن کا جھوٹ پر متفق ہونا ممکن نہ ہو اور اس کا کوئی ثبوت بھی نہ ہو — اس پر متفق ہوں کہ فلاں حدیث ثابت ہے تو یہ اس کے ثبوت واعتبار کی دلیل ہے نی نی (النکت علی ابن الصلاح ص ۳۷۳:)۔

د— شیخ الاسلام ابن تیمیہ:

علامہ بلقینی نے اپنی کتاب ''محاسن الاصطلاح نی نی میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ علیہ الرحمہ کا قول یوں نقل کیا ہے:

''بعض متأخرین حفاظ نے شافعیہ، حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے یہ لوگ اس حدیث کی صحت وثبوت کو قطعی مانتے ہیں جس کو امت کی طرف سے قبول حاصل ہو نی نی (النکت علی ابن الصلاح ص ۳۷۴:)۔

حافظ ابن حجر نے ''النکت نی نی میں شیخ الاسلام کے قول کا حاصل ان لفظوں میں ذکر کیا ہے:

''کسی حدیث کو امت جب قبول کے ساتھ لے خواہ یوں کہ اس کی تصدیق کرے اور اس کو ثابت مانے یا اس طرح کہ اس کے مضمون پر عمل کرے تو جمہور علماء سلف وخلف کے نزدیک یہ چیز یقین کا فائدہ دیتی ہے، (یعنی اس حدیث کی صحت وثبوت کی نسبت سے) اس کو اصول فقہ کے تمام مصنفین نے ذکر کیا ہے نی نی (النکت ص: ۳۷۴)۔

شیخ الاسلام نے مذاہب اربعہ کے نیز دیگر ان ممتاز علماء کا نام بھی ذکر کیا ہے جو اس کے قائل ہیں اور جنہوں نے اس کی صراحت کی ہے اور اسی ضمن میں ان کا یہ ارشاد آیا ہے:

''متأخرین کی ایک چھوٹی سی جماعت ہے جو اس مسئلہ میں اہل کلام کی متبع ہے کہ وہ اس کے منکر ہیں (اور اس طرح کے ثبوت وصحت کو نہیں مانتے) لیکن بہت سے اہل کلام بھی بلکہ اکثر اس مسئلہ میں فقہاء ومحدثین اور سلف کی موافقت کرتے ہیں نی نی (النکت ص ۳۷۴:)۔

اور اس سلسلہ میں ان کا خاتمہ کلام یہ ہے:

''اگر کسی خبر وحدیث کے ثبوت وصحت پر اجماع اس کی قطعیت اور اس کے یقینی ہونے کو واجب ولازم کرتا ہے تو اس میں علماء حدیث کے اجماع واتفاق کا اعتبار بدرجۂ اولی ہوگا جیسے کہ احکام شرعیہ وفقہیہ، کی بابت اجماع میں امر ونہی واباحت سے واقفیت رکھنے والے علماء کے اجماع کا اعتبار ہوتا ہے نی نی (النکت ص: ۳۷۴-۳۷۶)۔

اور اس سے بھی زیادہ واضح لفظوں میں شیخ کا قول ان کے فتاوی میں متعدد مواقع میں

آیا ہے:

''وہ حدیث بھی صحیح کے قبیل کی ہے جس کو علماء حدیث کی طرف سے قبولیت حاصل ہو، جیسے بخاری ومسلم کی تمام احادیث ہیں کہ سارے محدثین ان دونوں کتابوں کی تمام احادیث کو قطعی طور پر صحیح مانتے ہیں اور حدیث سے واقفیت میں سارے لوگ ان علماء کے تابع ومتبع ہیں۔

علماء حدیث کا کسی حدیث کے صدق وثبوت پر اجماع ایسا ہی ہے جیسے فقہاء کا اس بات پر اجماع کہ فلاں فعل حلال یا حرام یا واجب ہے، اور جب اہل علم کسی چیز پر متفق ہوں تو اس میں ساری امت ان کے تابع ہوتی ہے کیونکہ علماء کا اجماع معصوم – محفوظ عن الخطأ – ہے، علماء امت کسی غلط وخطأ پر متفق نہیں ہوسکتے نی نی (فتاوی شیخ الاسلام ۱۸/ ۴۸)۔

ہ – ابن القیم:

ابن القیم علیہ الرحمۃ نے اجتہاد سے متعلق حضرت معاذ کی مشہور حدیث کی صحت وثبوت کی بابت گفتگو کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''اگرچہ یہ احادیث اسناد کی رو سے ثابت نہیں ہیں لیکن چونکہ ایک بڑی جماعت نے بڑی جماعت سے ان کو نقل کیا ہے، تو یہ ان کے نزدیک صحیح وثابت ہیں اور اس کی وجہ سے وہ (ان روایات کے حق میں) اسناد کی طلب وصحت سے مستغنی رہے نی نی (اعلام الموقعین ۱/ ۲۰۳)۔

اسی طرح ابن القیم نے تلقین میت (اس حدیث کو حضرت ابوامامہ کے واسطہ سے طبرانی نے روایت کیا ہے جیسا کہ ابن القیم نے الروح ص ۲۱۳ میں ذکر کیا ہے نیز ابن صلاح نے اپنے فتاوی میں ذکر کیا ہے جیسا کہ نووی کی الاذکار (ص ۱۳۸:) میں ہے) کی حدیث کے متعلق فرمایا ہے:

''یہ حدیث – اگرچہ – (سنداً) ثابت نہیں ہے لیکن تمام شہروں وملکوں میں بغیر نکیر وانکار اس پر عمل کا ثبوت وتسلسل اس حدیث پر عمل کے جواز کے لئے کافی ہے نی نی (الروح

ص ۱۴:)۔

و—ابن حزم:

ابن حزم علیہ الرحمۃ اس موضوع سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''کبھی ایک حدیث مرسل ہونے کے حال میں وارد ہوتی ہے (اوراس وجہ سے وہ ضعیف ہوتی ہے)،لیکن اس کا مضمون ایسا ہوتا ہے کہ جو طبقہ در طبقہ یقینی طور پر منقول چلا آتا ہے اس کی وجہ سے اس پر اجماع کا ثبوت ہوتا ہے، ایسی صورت حال میں ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ نقل عمومی ہے، قرآن مجید کی نقل وروایت کی طرح لہذا اس کو سند کی ضرورت نہیں ہوتی اور یہ صورت حال سند سے مستغنی ہوتی ہے اور اس صورت میں اس مضمون کی حدیث مرسل کا ورود وعدم ورود برابر ہوتا ہے (یعنی مضمون کا جب اجماع وتواتر کے ساتھ ثبوت ہوتا ہے تو پھر روایت کی ضرورت نہیں رہ جاتی) جیسے حدیث ''لا وصية لوارث'' (کہ اس کا یہی حال ہے)'' (الاحکام لابن حزم ۲/ ۲۰۰)۔

ز—ابن عبدالبر:

مشہور مالکی محقق، فقیہ ومحدث ابن عبدالبر علیہ الرحمہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع روایت پر اپنی کتاب ''التمہید نی نی میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس حدیث کے معنی پر لوگوں کے اجماع اور اس کے موافق علماء کے قول کے بعد اس کو سند کی ضرورت نہیں ہے یہ اس سے بے نیاز ہے نی نی (فتح المالک بترتیب التمہید ۵/ ۱۲ وتدریب الراوی ۱/ ۶۷)۔

اسی طرح ایک معروف حدیث ''ترکت فیکم أمرین'' (موطا مالک، کتاب الجامع، ورواہ الحاکم فی المستدرک ۳/ ۹۳) پر ''تجرید التمہید نی نی میں گفتگو کے درمیان فرماتے ہیں:

''یہ حدیث اہل علم کے نزدیک حضور ﷺ کی ذات سے محفوظ ومشہور ہے اور اس کی ایسی شہرت ہے کہ جس کی وجہ سے اس کو اسناد سے ایک قسم کا استغناء ہے نی نی (تجرید التمہید ص ۲۵۱:)۔

۳۔بعض ائمہ مجتہدین کے اقوال:

امت کے معروف ومتبوع ائمہ مجتہدین سے بھی یہ بات منقول ہے، چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور بطور ایک قاعدہ وکلیہ:

''کسی حدیث کا مدینہ میں مشہور ہونا اس کو صحت سند سے مستغنی کر دیتا ہے نی نی (سنن الدارقطنی ۲/۴۴۱)۔

امام موصوف کا یہ ارشاد حاصل ومراد ہے ابن حزم کی اس تفصیلی عبارت کا جس کا ذکر پیچھے گذرا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''الام نی نی میں پانی کی پاکی وناپاکی سے متعلق ایک روایت کہ ''نجاست جب پانی کے مزہ، بو اور رنگ کو بدل دے تو پانی ناپاک قرار پائے گا نی نی (رواہ الطحاوی والدارقطنی والطبرانی وابن ماجہ، اور ملاحظہ ہو: ابن ماجہ کتاب الطہارۃ باب الحیاض وشرح معانی الآثار، ابواب الطہارۃ باب الماء یقع فیہ النجاسۃ—ابوحاتم نے اس کو مرسلاً صحیح قرار دیا ہے، لہٰذا مرفوع موصول ضعیف اگر اس کو ضعیف مانیں تو مرسل صحیح سے تائید وتقویت کی بنیاد پر مقبول ہے (ملاحظہ ہو: اعلاء السنن ۱/۱۷۹، وامانی الأخبار شرح معانی الآثار ۱/۴۶، وتحب الأفکار وتلخیص الحبیر ۱/۴) کے ذکر میں فرماتے ہیں:

''میں نے جو یہ ذکر کیا کہ پانی کا مزہ، اور رنگ وبو بدل جائے تو پانی ناپاک ہوجائے گا یہ مضمون نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے، مگر اس طرح کہ محدثین اس کو ثابت نہیں مانتے (کیونکہ اس کی سند کمزور ہے)، لیکن سب کا قول یہی ہے اور اس بابت علماء کا کوئی اختلاف میرے علم میں نہیں ہے'' (کتاب الام ۱/۳ واختلاف الحدیث ص ۱۰۸:)۔

اور ایک معروف حدیث ''لا وصیة لوارث'' (اس حدیث کو ترمذی ونسائی وابوداؤد نے روایت کیا ہے، ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے اور جامع الاصول کے محقق نے ترمذی ونسائی کی روایت کو حسن اور ابوداؤد کی روایت کو صحیح کہا ہے ملاحظہ ہو: جامع الاصول ۱/ ۳۳۲، ۳۳۳)۔ جس کا ذکر ابن حزم کے کلام میں آیا ہے اس حدیث کے متعلق امام شافعی فرماتے ہیں:

''علماء حدیث اس کو ثابت نہیں مانتے لیکن سب نے اس کو قبول کے ساتھ لیا ہے او راس پر عمل کیا ہے حتی کہ اس کو ورثہ کے حق میں وصیت کی آیت کے لئے ناسخ قرار دیا ہے فی فی (النکت مع التعلیقات ص ۴۹۴: و۴۹۵)۔

امام شافعی وابن حزم وغیرہ کی رائے میں اس حدیث کا ازروئے سند ثبوت محل نظر ہے، اس لئے ان حضرات نے یہ بات فرمائی ہے ورنہ ائمہ ومحدثین کی ایک جماعت اس کو صحیح وثابت مانتی ہے جیسے امام ترمذی وغیرہ۔

شیخ عبدالفتاح کے استاذ خاص علامہ زاہد الکوثری جو وقت کے ممتاز فقہاء احناف اور محققین ومحدثین میں سے تھے انہوں نے ایک مستقل مضمون لکھا جس میں حدیث کے ثبوت نیز اس پر عمل کی نسبت سے علماء کے اجماع کا تذکرہ کیا ہے، یہ مقالہ ان کے مجموعہ مقالات میں شامل ہے (ملاحظہ ہو مقالات الکوثری شیخ عبدالفتاح نے الاجوبۃ الفاضلہ کی تعلیقات میں اس کا تذکرہ کیا ہے (ص ۵۲:)۔

۴۔ تلقی بالقبول کی صورتیں وشکلیں:

علماء امت کی طرف سے کسی حدیث کو قبولیت ۔ جس کو تلقی بالقبول کہتے ہیں یہ قبولیت ۔ کبھی نقل وروایت کے واسطے سے اور کبھی عمل وافتاء کی رو سے ہوتی ہے یعنی اس کی دو صورتیں ہیں:

اول: امت اور علماء امت کے درمیان تلقی کی صورت یہ ہو کہ اس کی نقل وروایت ان

کے درمیان بغیر نکیر کے معروف ومشہور ہو، اسفرائینی کا جو قول شروع میں گذرا ہے:

''ائمہ حدیث کے نزدیک کسی حدیث کی شہرت جب بغیر انکار ونکیر ہو تو اس سے حدیث کی صحت کا علم ہوتا ہے نی نی (الاجوبۃ الفاضلہ، التعلیقات ص:۲۳۱)۔

اس کا یہی مطلب ومصداق ہے، اور اسی کو امام مالک علیہ الرحمہ نے اپنے قول میں مراد لیا ہے:

''مدینہ میں کسی حدیث کی شہرت سند سے مستغنی کرتی ہے نی نی (سنن الدارقطنی ۲/۴۴۱)۔

دوم: تلقی کی دوسری صورت یہ ہے کہ علماء امت کا عمل اور فتوی اس کے موافق ہو یعنی علماء امت کے درمیان اس کا قبول قول وعمل، نقل وفعل دونوں کی رو سے ہو، امام ترمذی علیہ الرحمہ اپنی جامع میں بہت سی احادیث سے متعلق جو یہ ذکر کیا کرتے ہیں ''**والعمل علیه عند أهل العلم**'' یا اس قسم کے دوسرے الفاظ تو اس سے ان کے نزدیک تلقی کی یہی صورت مراد ہوتی ہے۔

اور یہ بات وہ جیسے ان احادیث کے حق میں ذکر کرتے ہیں جن کی صحت کی وہ صراحت کرتے ہیں مثلاً باب کراہۃ الاستنجاء بالیمین اور باب الاستنجاء بالماء میں — اسی طرح ان احادیث کے حق میں بھی ذکر کیا کرتے ہیں جن کے حق میں ضعف وغرابت کا وہ ذکر کرتے ہیں مثلاً باب ما جاء فی من استقاء عمداً، باب ما جاء فی الصلاۃ علی الدابۃ فی الطین والمطر، باب ما جاء فی الرجل یقتل ابنہ۔

امام ترمذی کی جامع کی جہاں یہ خصوصیت ہے کہ وہ حدیث کی حیثیت وحکم کا عموماً تذکرہ کرتے ہیں وہیں مذاہب کا بھی ذکر کرتے ہیں اور بکثرت ایسا ہے کہ حدیث یا بعض روات کے ضعف کا تذکرہ کرنے کے ساتھ بھی وہ حدیث کے موافق عمل کی بات ذکر کرتے ہیں

جس سے ان کی مراد عمل وفتوی کی رو سے تلقی وقبول سے ہوتی ہے۔

سیوطی امام ترمذی کے اس قسم کے لفظ کی شرح میں فرماتے ہیں:

''اشارہ ہے کہ یہ حدیث (ضعیف ہے مگر) اہل علم کے قول سے مؤید وقوی ہے نی نی (قواعد فی علوم الحدیث ص ۴۰:)۔

مولانا ظفر احمد تھانوی نے ''اعلاء السنن نی نی میں تلقی کی تفصیل کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''تلقی کبھی قول سے ہوتی ہے اور کبھی فعل وعمل سے نی نی (قواعد فی علوم الحدیث ص: ۴۰)۔

اس سے بظاہر یہی مذکورہ دونوں صورتیں مراد ہیں جن کا تفصیل سے ذکر کیا گیا کیونکہ قول کے ذریعہ قبول نقل وروایت اور عمل کے ذریعہ قبول حدیث کے موافق فتوی وعمل ہے۔

اور یہی بات شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی سابق ایک عبارت وصراحت سے سمجھ میں آتی ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے: جس حدیث کو امت نے تلقی کے ساتھ لیا ہو یوں کہ اس کی تصدیق کی ہو یا اس کے مدلول پر عمل کیا ہو تو ایسی حدیث جمہور اہل علم کے نزدیک یقین کا فائدہ دیتی ہے نی نی (فتاوی شیخ الاسلام ۱۸/ ۴۸)۔

ان کی اس عبارت میں تلقی کی دو صورتیں ذکر کی گئی ہیں ایک تصدیق کے واسطہ سے تلقی، دوسری حدیث کے مفہوم ومدلول پر عمل سے تلقی۔

۵۔ تلقی بالقبول کا حکم یا حدیث متلقی بالقبول کی حیثیت ومرتبہ:

حدیث ضعیف کی قبول کے ساتھ تلقی اسناد اور صحت سند میں نظر سے کہیں اہم وبڑھ کر ہے۔ اس تلقی کا معاملہ یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف کو صحیح اخبار احاد کے درجہ میں پہنچا دیتی ہے اور ایسی حدیث کے ساتھ صحیح اخبار احاد کا معاملہ کیا جاتا ہے، بلکہ بسا اوقات تلقی حدیث کو ایسی بلندی

وتفوق عطا کرتی ہے کہ اس کی وجہ سے حدیث ضعیف قطعیت وقوت کے اس درجہ کو پالیتی ہے جو خبر متواتر کا ہے حتی کہ اس کی وجہ سے اس کے مخالف ومعارض کو منسوخ مانا جاتا ہے اگرچہ معارض قطعیات میں سے ہو جیسے کہ حدیث متواتر قطعی امر کو (معارضہ کی صورت میں) منسوخ کردیتی ہے۔

لیکن یہ موقوف ہے تلقی کی نوعیت وکیفیت اور قوت پر اس لئے کہ تلقی ایک ہی انداز کی اور ایک ہی انداز پر نہیں ہوتی، اس لئے قبول کے ساتھ تلقی حاصل کرنے والی حدیث ضعیف ایک ہی حال ومرتبہ کی نہیں ہوتی بلکہ اس میں فرق مراتب پایا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ایک حدیث ضعیف وہ ہے جس پر تمام فقہاء ومجتہدین کا عمل ہے اور سب کے نزدیک اس کا اعتبار ہے اور ایک وہ ہے جو بعض کے نزدیک معتبر ومعمول بہ ہے دونوں کے درمیان فرق کیا جائے گا امام ترمذی کبھی تمام اہل علم کا عمل ذکر کرتے ہیں اور کبھی بعض کا۔

الف — ابن فورک کا قول:

حافظ ابن حجر نے ابن فورک سے اس بابت تفصیل یوں نقل کی ہے:

''اگر کسی حدیث ضعیف پر صرف عمل کی حد تک لوگ متفق ہوں تو اس کو قطعی طور پر ثابت نہیں مانا جائے گا، اور اس کو اس پر محمول کریں گے جیسے کہ خبر واحد صحیح پر عمل واجب ہوتا ہے، لیکن اگر قبول کے ساتھ تلقی قول وفعل — روایت اور عمل وفتوی دونوں کی رو سے ہو تو قطعی طور پر اس کے صدق وثبوت کا حکم لگایا جائے گا نی نی (النکت علی ابن الصلاح ص ۳۷۳:)۔

ب — ابوبکر جصاص رازی کا قول:

ابوبکر جصاص رازی ''احکام القرآن نی نی میں بعض ایسی احادیث پر گفتگو کرتے

ہوئے فرماتے ہیں:

''امت نے ان دونوں احادیث کوعمل میں اختیار کیا ہے اگرچہ ان کی روایت احادی طور پر ہے،لیکن امت کے اس پرعمل کی وجہ سے یہ تواتر کے درجہ میں ہوگئی ہے، کیونکہ جس خبر واحد کوعلماء قبول کے ساتھ لیتے ہیں وہ ہمارے نزدیک متواتر کے مفہوم ودرجہ میں ہوتی ہے وجہ ہم نے متعدد مواقع میں بیان کی ہے نی نی (احکام القرآن للجصاص ۱/ ۳۲۲)۔

جصاص کے قول میں مذکور دونوں احادیث سے حضرت عائشہ وحضرت ابن عمرؓ کی روایات ذیل مراد ہیں:

''طلاق الأمة تطليقتان وقرؤها حيضتان'' اور ''تطليق الأمة تطليقتان وعدتها حيضتان''۔

(حضرت عائشہ کی روایت ترمذی (الطلاق باب ماجاء أن طلاق الأمة تطليقتان) میں آئی ہے اور ابن عمرؓ کی ابن ماجہ وبیہقی نے مرفوعاً اور امام مالک وامام شافعی نے موقوفاً روایت کیا ہے، حضرت عائشہ کی حدیث ابوداؤد میں بھی ہے ملاحظہ ہو: جامع الاصول ۷/ ۶۱۲ کا حاشیہ)۔

ج—ابن حجر کا قول:

حافظ ابن حجر نے ''النکت نی نی میں اس بابت گفتگو کرتے ہوئے اقوال نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے:

''کسی خبر کی صحت پر امت کا اتفاق واجماع بلاشبہ اس خبر سے زیادہ یقین کا فائدہ دیتا ہے جو قرائن کے ساتھ ہوتی ہے یا متعدد طرق سے مروی ہوتی ہے نی نی (النکت ص: ۳۷۸)۔

۶—تلقی بالقبول سے حدیث صحیح کو بھی نفع ہوتا ہے:

حافظ ابن صلاح نے اپنی ''شرح صحیح بخاری نی نی کے اندر شیخین کی ذکر کردہ روایات

کی حیثیت وحکم پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا ہے :

''جس حدیث پر یہ دونوں حضرات متفق ہیں (کہ دونوں نے اس کو روایت کیا ہے) وہ قطعی طور پر ثابت ہے اس لئے کہ امت نے ان دونوں کتابوں اور ایسی احادیث کو قبول کے ساتھ لیا ہے۔

اور ایسی احادیث سے علم نظری کا فائدہ حاصل ہوتا ہے اور اس سے متواتر کی طرح یقین کا فائدہ حاصل ہوتا ہے مگر اس فرق کے ساتھ کہ متواتر سے علم ضروری بدیہی کا حصول ہوتا ہے اور تلقی والی حدیث سے علم نظری کا نی نی (مقدمہ ابن صلاح ص ۲۴: و ۲۵ والنکت ص ۳۷۲:)۔

حافظ ابن حجر نے ''نخبۃ ونزہۃ نی نی میں یہ گفتگو کرتے ہوئے کہ خبر واحد صحیح ذاتی طور پر ظن غالب کا فائدہ دیتی ہے لیکن اس کے ساتھ جب مخصوص قرائن پائے جائیں تو وہ متواتر کی طرح یقین کا فائدہ دیتی ہے لیکن یقین نظری کا اور قرائن میں اس کا بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ کوئی حدیث صحیحین میں مذکور ہو یعنی دونوں میں پھر اس کے دلائل ووجوہ ذکر فرماتے ہیں (نخبہ ونزہۃ ص ۲۶: و ۲۷)۔

اور حافظ ابن حجر ''النکت نی نی میں فرماتے ہیں:

''ابونصر عبدالوہاب مالکی نے اس حدیث کو جزماً وقطعاً صحیح قرار دیا ہے جس کو تلقی بالقبول حاصل ہو (یعنی روایۃً) البتہ اگر کسی حدیث پر عمل کے حق میں امت متفق ہو تو کیا یہ چیز صحت کی دلیل ہوگی؟ اس میں اختلاف ذکر کیا ہے نی نی (النکت ص: ۳۷۳)۔

گذشتہ صفحات میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے اقوال میں یہ بات آئی ہے کہ مذاہب اربعہ کی ایک جماعت وائمہ اس حدیث کو قطعی طور پر صحیح مانتے ہیں جس کو امت کی طرف سے تلقی بالقبول حاصل ہو (النکت ص ۳۷۴:)۔

اسی طرح یہ قول بھی کہ جس حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہو وہ جمہور علماء سلف وخلف

کے نزدیک یقین کا فائدہ دیتی ہے (النکت ص: ۳۷۴)۔

۷۔ حدیث ضعیف کو تلقی سے قبول واعتبار نیز صحت کا فائدہ ہوتا ہے:

کسی حدیث ضعیف کو جب امت کے مجتہدین ومحدثین کی طرف سے تلقی بالقبول کا حصول ہوتا ہے تو وہ نکارت وضعف کی حد سے نکل کر قبول واعتبار بلکہ صحت کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے اور وہ حدیث مقبول کی ایک قسم قرار پاتی ہے۔

حافظ ابن حجر نے ''النکت نی نی میں اس کی صراحت کی ہے (النکت ص ۳۷۴:)۔

۸۔ حدیث ضعیف تلقی سے کبھی تواتر کی قوت حاصل کرتی ہے:

حافظ سخاوی ''فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث نی نی میں فرماتے ہیں:

''امت جب کسی حدیث ضعیف کو قبولیت کے ساتھ لے تو قول صحیح کے مطابق اس پر عمل کیا جائے گا، یعنی وجوباً جیسا کہ حافظ ابن حجر نے صراحت کی ہے اور خود سخاوی نے بھی بعد میں ذکر کیا ہے۔

''ایسی حدیث متواتر کے درجہ میں پہنچ جاتی ہے کہ اس کے ذریعہ قطعی دلیل کو منسوخ قرار دیا جاتا ہے اسی وجہ سے امام شافعی علیہ الرحمۃ نے حدیث ''لاوصیۃ لوارث نی نی کے حق میں فرمایا ہے کہ علماء حدیث تو اس کو ثابت نہیں مانتے لیکن سب ہی علماء نے اس کو قبولیت کے ساتھ لیا ہے اور اس پر عمل کیا ہے حتی کہ اس حدیث کو آیت وصیت کے لئے ناسخ قرار دیا ہے نی نی (فتح المغیث ص ۲۸۵:، النکت ص: ۴۹۵، الاجوبۃ الفاضلہ ص ۵۱:، ۵۲)۔

۹۔ سابقہ اقوال ونقول کا خلاصہ:

گذشتہ سطور میں جن تصریحات، اقوال ونقول کا ذکر آیا ہے ان کا حاصل یہ ہے کہ حدیث ضعیف کو تلقی بالقبول کی وجہ سے ایک خاص حیثیت حاصل ہوجاتی ہے اور

ایسی کہ وہ صحیح وحسن خبر واحد کے درجہ میں مقبول قرار پاتی ہے یہی نہیں بلکہ اخبار احاد کی تمام اقسام سے اعلی وارفع قرار پاتی ہے حتی کہ تلقی اس کو کبھی اس حیثیت میں بھی کر دیتی ہے کہ وہ متواتر کے مساوی ومتوازی بن جاتی ہے جو خبر کی سب سے اعلی واقوی قسم ہے اور ثبوت نیز صحت وقوت میں تمام دلائل شرعیہ میں فائق ہے۔

اسی وجہ سے ایسی صورت میں حدیث ضعیف قطعیت میں اور علم ویقین کا فائدہ دینے میں متواتر کا حکم رکھتی ہے، اور اسی طرح مخالف ومعارض قطعی خبر ودلیل کے لئے نسخ کا فائدہ بھی دیتی ہے جبکہ نسخ کے قرائن وشرائط پورے ہو رہے ہوں۔

۱۰۔تلقی بالقبول حاصل کرنے والی حدیث سے علم ویقین نظری کا حصول ہوتا ہے:

البتہ متواتر اور حدیث متلقی بالقبول بدرجۂ متواتر کے درمیان فرق یہ ہے کہ متواتر اصطلاحی سے تو علم ضروری وبدیہی حاصل ہوتا ہے، اور ایسی حدیث سے علم نظری حاصل ہوتا ہے، جیسا کہ ابن صلاح نے ذکر کیا ہے (مقدمہ مع النکت ص ۲۷۳:)، اور جیسا کہ حافظ ابن حجر نے صحیح اخبار احاد کے لیتے ذکر کیا ہے جبکہ اس کے ساتھ کچھ خاص قرائن پائے جائیں (نزہۃ النظر ص۲۶:)۔

واضح ہو کہ نظری کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس میں غور وفکر، دقت نظر، اصول وضوابط وغیرہ کی تحقیق وتفتیش اور تطبیق کی ضرورت ہوتی ہے، جبکہ ضروری وبدیہی کا مطلب ہوتا ہے سہولت سے اور برجستہ حاصل ہونے والا یہی وجہ ہے کہ بدیہی کا حصول خواص اہل علم کے ساتھ مختص نہیں ہوتا اور نظری اہل نظر وخواص اہل علم کے ساتھ خاص ہوتا ہے۔

۱۱۔تلقی کی دونوں صورتوں کے درمیان حکم کا فرق:

اس موقع سے ایک سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ تلقی کی دو بنیادی شکلیں جو ذکر کی گئی ہیں جن کی وضاحت تفصیل سے آچکی ہے کیا حکم اور فائدہ وافادہ میں دونوں کے درمیان کوئی فرق ہے؟

تو عام طور سے جو بات کہی گئی ہے اس سے تو بظاہر اطلاق سمجھ میں آتا ہے اور یہ کہ دونوں میں فرق وتفصیل نہیں ہے لیکن ابن فورک وابونصر مالکی کے کلام سے ایسا سمجھ میں آتا ہے کہ فرق وتفصیل ہے، حافظ ابن حجر کا میلان بھی یہی سمجھ میں آتا ہے اس لئے کہ انہوں نے دونوں کا کلام کسی نقد ورد کے بغیر نقل کیا ہے۔

ابن فورک کا قول ہے:

"تلقی اگر قولاً وفعلاً (دونوں) ہو تو قطعی صدق وثبوت کا حکم لگایا جاتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو حکم خبر واحد پر وجوب عمل کے درجہ میں رکھا جاتا ہے اور قطعی ثبوت کا اعتبار نہیں ہوتا نی (النکت ص ۳۷۳:)۔

فقہاء حنفیہ نے اجماع کی اقسام واحکام میں جو تفصیل ذکر کی ہے اس سے بھی اس کی ایک درجہ تائید ہوتی ہے اس لئے کہ حنفیہ کے نزدیک اجتماع متواتر واجماع مشہور کے درمیان حکماً فرق ہے (الموجز ص ۲۰۲:، ۲۱۹، ۲۲۴، فواتح الرحموت ۲/ ۲۴۲، ۲۴۳)۔

لہذا ابن فورک وغیرہ کی تفصیل ورائے کے مطابق ہم کہتے ہیں:

۱۔ ضعیف کی قبول کے ساتھ تلقی اگر صرف عمل سے ہو تو اس کی وجہ سے ضعیف ان صحیح احادیث کے مرتبہ میں ہوگی جو صرف وجوب عمل کا فائدہ دیتی ہیں۔

۲۔ اور اگر تلقی عمل کے ساتھ قول، نقل وروایت اور فتوی سب کے ساتھ ہو تو حدیث ضعیف خبر متواتر کے درجہ میں ہوتی ہے اور علم نظری کا فائدہ دیتی ہے، جیسا کہ ابن صلاح نے ذکر کیا ہے (مقدمہ ابن الصلاح ص ۲۴:، ۲۵، النکت ص ۳۷۲:) اور قطعی کے حق میں بھی نسخ کا کام کرتی

ہے جیسا کہ سخاوی نے ذکر کیا ہے (فتح المغیث ص:۲۸۵)۔

۱۲—مثالیں:

ایسی احادیث ضعیفہ جن کو پیچھے ذکر کردہ تفصیل کے مطابق تلقی وقبول حاصل ہوا ان کا بڑا مآخذ وذخیرہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی ''جامع نی نی ہے، کہ ان کی اس کتاب میں حسن احادیث کا بہت بڑا حصہ ہے جو مختلف قسم کی ہیں جن میں یہ شکل بھی فی الجملہ داخل ہے۔

امام ترمذی اپنی اس کتاب میں کثرت سے حدیث کے ضعف وغرابت کا تذکرہ کرنے کے ساتھ فرماتے ہیں: ''**وعليه العمل عند أهل العلم**'' یا ''**والعمل عليه عند أكثر أهل العلم**'' یعنی سارے اہل علم یا اکثر اہل علم کے نزدیک عمل اسی حدیث پر اور اس کے موافق ہے۔

۱۳—مثال مع توضیح وتطبیق:

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے ''الاجوبۃ الفاضلہ نی نی کی تعلیقات کے اواخر میں بطور مثال ذکر فرمایا ہے (الاجوبۃ الفاضلہ التعلیقات ص ۲۲۴):

''اس کی ایک مثال حدیث من ذرعہ القیئ الخ ہے کہ جس کو روزے کے حال میں قے آئے تو اس پر قضا نہیں ہے اور اگر آدمی (قصداً) قے کرے تو قضا کرے (الترمذی مع التحفہ ۴۰۹/۳—۴۱۱ باب من ذرعہ القیئ من ابواب القیامۃ)۔

حافظ ابن حجر نے ''فتح الباری نی نی کتاب الصیام باب الحجامۃ والقیئ للصائم میں ذکر کیا ہے:

''امام بخاری نے ''تاریخ کبیر نی نی میں ذکر کیا ہے:

''**قال مسدد عن عيسى بن يونس حدثنا هشام بن حسان عن محمد بن**

سیرین عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ :من ذرعہ القیٔ الحدیث''۔

امام بخاری کا کہنا ہے: یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

اس حدیث کو اصحاب سنن اربعہ نے نیز حاکم نے عیسی بن یونس کے طریق سے روایت کیا ہے۔

امام ترمذی نے فرمایا ہے:

''یہ حدیث غریب ہے، ہم اس کو صرف عیسی بن یونس کی روایت سے جانتے ہیں انہوں نے اس کو ہشام سے نقل کیا ہے اور میں نے امام بخاری سے اس کے متعلق معلوم کیا تو انہوں نے فرمایا: ''میں اس حدیث کو محفوظ – ثابت – نہیں سمجھتا نی نی۔

اس حدیث کو ابن ماجہ اور حاکم نے حفص بن غیاث کے طریق سے ہشام سے نقل کیا ہے۔

امام ترمذی نے اس کو روایت کرنے کے بعد اس کے حق میں کلام کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے:

''یہ روایت حضرت ابوہریرہؓ سے مختلف طرق سے مروی ہے اور اس کی سند صحیح نہیں ہے، البتہ اہل علم کا عمل اسی پر ہے نی نی (فتح الباری ۴/ ۱۵۲)۔

باب چہارم

حدیث ضعیف منجبر

یعنی

حدیث حسن لغیرہ

(یعنی وہ حدیث ضعیف جو قرائن سے قوت پا جاتی ہے)

اور ضعف کی تلافی و دوری ہو جاتی ہے)

۱— حدیث حسن لغیرہ کی تعریف:

یہ مسئلہ بھی ایسا ہے کہ جس کی بابت ہم کو اجماع اور عدم اختلاف کا دعوی کرنا ممکن ہے اور یہ مسئلہ ہے حدیث ضعیف کے ضعف کے انجبار یعنی قرائن سے تأید وتأکد کا جبکہ اس کے لئے کوئی ایسا امر وقرینہ مل جائے جس کا ائمہ حدیث کے نزدیک اعتبار ہے، اس لئے کہ بالخصوص متاخرین محدثین اور علماء محققین کے نزدیک یہ معروف ہے کہ حدیث مقبول کی دو قسمیں ہیں صحیح اور حسن، پھر حسن کی دو قسمیں ہیں جیسے صحیح کی دو قسمیں ہیں، حسن کی دو اقسام ہیں حسن لذاتہ اور حسن لغیرہ۔

اور جس حدیث کو حسن لغیرہ کہتے ہیں وہ ایسی ہی حدیث ہوتی ہے جو اپنی اصل میں ضعیف ہوتی ہے اور اس کا ضعف ان چیزوں میں سے کسی کے ساتھ میں پائے جانے کی وجہ سے دور ہو جاتا ہے جن کا حدیث ضعیف کے ضعف کا ازالہ اور اس کی تقویت کے لئے اعتبار کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر محمود طحان نے حسن لغیرہ کی تعریف ان لفظوں میں کی ہے:

"**هو الضعيف إذا تعددت طرقه**" (تیسیر مصطلح الحدیث ص ۵۱:)۔

(حسن لغیرہ حدیث ضعیف ہوتی ہے جس کے طرق کئی ہوں)۔

ڈاکٹر نور الدین عتر نے "منہج النقد فی علوم الحدیث نی نی میں تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"حسن لغیرہ وہ حدیث ہے جو (کسی چیز سے) تقویت پانے کی وجہ سے حسن کے

درجہ ومرتبہ تک پہنچ جائے نی نی (منہج النقد فی علوم الحدیث ص ۲۶۸:)۔

علامہ سخاوی نے ''فتح المغیث نی نی میں فرمایا ہے:

''حسن لغیرہ اصلاً ضعیف ہوتی ہے لیکن کسی مؤید کی وجہ سے تقویت پا کر وہ حسن بن جاتی ہے نی نی (فتح المغیث ص ۲۵:)۔

حافظ ابن حجر خبر واحد کی صحیح وحسن اقسام بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جس حدیث میں توقف کیا جائے جب کوئی قرینہ مل جائے جو اس کی قبولیت کے پہلو کو راجح قرار دے تو ایسی حدیث بھی حسن کہلاتی ہے لیکن اس کو حسن لغیرہ کہتے ہیں نی نی (نخبہ ونزہہ ص ۲۹:)۔

اور حافظ ابن حجر نے جو توقف کی بات ذکر کی ہے تو انہوں نے ضعیف مطلق ومردود مطلق — یا یوں کہئے کہ ضعیف کا عمومی وعام حکم یہ ذکر کیا ہے کہ اس کے بارے میں توقف وتفتیش سے کام لیا جائے گا کیونکہ انہوں نے فرمایا ہے:

''اخبار آحاد مقبول بھی ہوتی ہیں اور مردود بھی اور مردود وہ حدیث کہلاتی ہے جس کے مخبر کا صدق راجح نہ ہو نی نی۔

اور آخری بات انہوں نے یہ فرمائی ہے قبولیت ورد اور صدق وکذب کے ثبوت کے اعتبار سے تین پہلو ذکر کرتے ہوئے:

''تیسری شق یہ ہے کہ اگر کوئی قرینہ مل جائے جو حدیث (ضعیف) کو دونوں قسموں (ثابت وغیر ثابت) میں سے کسی ایک سے ملحق کر دے تو وہ اس کے ساتھ ملحق ہو جائے گی (ثابت یا غیر ثابت مانی جائے گی) ورنہ اس کے بارے میں توقف کیا جائے گا نی نی (نزہۃ النظر ص ۲۶:)۔

سعودیہ کی لجنۃ دائمہ للافتاء کے مجموعہ فتاوی میں ہے:

''احکام کے اثبات کے لئے حدیث ضعیف پر عمل کیا جائے گا جبکہ اس حدیث ضعیف کو کسی دوسری حدیث سے تقویت حاصل ہو جو اس کی ہم معنی وہم مضمون ہو یا یہ کہ خود وہ کئی طرق سے مروی ہونے کی بنا پر پر معروف ہو کہ اس صورت میں وہ حسن لغیرہ کے قبیل سے ہوگی جو حدیث کی قابل احتجاج اقسام میں سے چوتھی قسم ہے نی نی (فتاوی اللجنۃ الدائمۃ ۹۶/۴)۔

۲ــ حدیث حسن لغیرہ کا حکم ومرتبہ:

حدیث حسن لغیرہ کا حکم یہ ہے کہ وہ حجت وقابل عمل ہے، جمہور علماء مجتہدین واصولیین وغیرہ کا یہی مذہب ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی صحیح میں ایسی احادیث کا تذکرہ کیا ہے اگر چہ وہ معلقات میں سے ہیں نی نی (النکت علی ابن الصلاح ص ۳۴۰: تا ۳۴۲)۔

اور چونکہ ''حدیث ضعیف منجبر نی نی جس پر گفتگو چل رہی ہے وہ حدیث حسن لغیرہ ہی ہے جو معروف ہے اور جو بالاتفاق مقبول ہے تو اس کی بابت کسی تفصیل کے ذکر کی ضرورت نہیں ہے لیکن مناسب ومفید معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع سے اس موضوع سے متعلق کچھ مفید باتیں یہاں ذکر کر دی جائیں۔

۳ــ ضعیف اور ضعیف منجبر:

۱ــ حدیث ضعیف کی تعریف گذر چکی ہے، باب اول ملاحظہ کیا جائے، حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے:

''حدیث ضعیف وہ حدیث ہے جس کے مخبر وراوی کا صدق راجح وثابت نہ ہو نی نی (نزہۃ النظر ص ۲۶:)۔

اس کے بعد انہوں نے تفصیل کرتے ہوئے ذکر فرمایا ہے کہ اخبار آحاد تین احتمالات رکھتی ہیں، جس میں تیسرا یہ ہے کہ نہ تو صفت قبول اس میں پائی جائے اور نہ صفت رد،

اس کے بعد اس کا حکم ان لفظوں میں ذکر فرمایا ہے۔

''اگر کوئی قرینہ مل جائے تو اس قسم کی حدیث کو پہلی دونوں قسموں — ایک صدق کے رجحان والی، دوسری کذب کے رجحان والی، میں سے کسی ایک سے اس کو ملحق کر دے تو اسی قسم کا حکم اس کا بھی ہوگا ورنہ اس کے بارے میں توقف کیا جائے گا اور عمل میں توقف کی وجہ سے اس کی حیثیت وحکم مردود کے جیسا ہوگا (کہ مردود پر عمل نہیں ہے تو اس پر بھی نہ ہوگا) یہ حکم اس وجہ سے نہیں کہ اس کے حق میں رد کی صفت کا ثبوت ہو گیا بلکہ اس وجہ سے ہے کہ اس میں قبول کی موجب کوئی صفت موجود نہیں ہے نی نی (نزہۃ النظر ص:۲۶)۔

ب — ضعیف منجبر وہ حدیث ہے جو اپنی اصل میں اس طرح مروی ہوتی ہے کہ اس کے اندر قبول کی کوئی صفت موجود نہیں ہوتی جو کم از کم حدیث حسن میں مطلوب ہوتی ہے لیکن تحقیق سے اس کے لئے کوئی ایسا قرینہ مل جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ خالص ضعف کے مرحلہ سے نکل کر احتجاج وقبول کے مرحلہ میں پہنچ جاتی ہے اور ضعیف کی اصل حقیقت وتعریف یہ ہے کہ حدیث کے قبول کے لئے جو شرطیں ذکر کی جاتی ہیں جب وہ سب یا چند یا ایک نہ پائی جائے تو حدیث کو ضعیف کہتے ہیں جیسا کہ متعدد اہل فن واہل نظر نے وضاحت کی ہے (منہج النقد فی علوم الحدیث ص:۲۸۶، والنکت علی ابن الصلاح ص ۲: و۴)۔

۴ — انجبار (تلافی ضعف) واعتماد کے حصول کے ذرائع:

حدیث ضعیف کو انجبار اور تلافی ضعف کی بنا پر قوت واعتماد اور قبول واحتجاج کئی ذرائع سے حاصل ہوتا ہے کہ ایسے امور وقرائن متعدد ہیں۔

۵ — معروف ترین ذریعہ ووسیلہ:

ضعیف کے انجبار اور تلافی ضعف کا سب سے معروف واہم ذریعہ یہ ہے کہ حدیث

ضعیف ایک سے زیادہ طریق وسند سے مروی ہو۔

اس بابت زیادہ تر اسی امر کا تذکرہ کتابوں میں ہے اور یہی سب سے مشہور ہے اور اس کا اعتبار معروف ہے، اس کو کبھی تو کثرت طرق سے تعبیر کرتے ہیں اور کبھی ''تعدد طرق نی نی کے لفظ سے، ڈاکٹر محمود طحان نے حسن لغیرہ کی تعریف میں یہی لفظ ذکر کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

''**هو الضعيف إذا تعددت طرقه**'' (تیسیر مصطلح الحدیث ص ۵۱:)۔

حسن لغیرہ وہ حدیث ضعیف ہے جس کے طرق متعدد ہوں۔

مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی فرماتے ہیں:

''حدیث ضعیف کے جب متعدد طرق ہوں— اگرچہ مزید ایک ہی طریق ہو— تو حدیث مجموعی طور پر درجہ حسن کو پہنچ جاتی ہے نی نی (قواعد فی علوم الحدیث ص ۴۵:)۔

ابن ہمام کے کلام میں فی الجملہ دونوں لفظ آئے ہیں وہ فرماتے ہیں:

''حدیث حسن کثرت طرق کی وجہ سے صحت کو پہنچ جاتی ہے اور حدیث ضعیف اس کی وجہ سے حجت ہوتی ہے کیونکہ تعدد طرق نفس الامر میں اس کے ثبوت کا قرینہ ہے نی نی (فتح القدیر ۳۸۹/۱)۔

حیض کی اکثر واقل مدت سے متعلق روایات کے ذکر اور ان پر کلام کے ذیل میں فرماتے ہیں:

''یہ حضور ﷺ سے مروی متعدد احادیث ہیں جن کے طرق متعدد ہیں اور یہ چیز حدیث ضعیف کو حسن کے درجہ تک پہنچاتی ہے، بلکہ اس بابت صحابہ وتابعین سے جو کثرت سے روایات ہیں ان کی بنا پر دل اس پر مطمئن ہوتا ہے کہ مضمون کی حدیث مرفوع میں ضعیف راوی نے اچھا ہی کام کیا ہے اور اچھائی کا ثبوت دیا ہے نی نی (فتح القدیر ۱/ ۱۴۳)۔

٦ ــتعددطرق وکثرت طرق سے کیا مراد ہے؟

ضعیف کے انجبار کے لئے کثرت طرق وتعددطرق، سے کیا مراد ہے اور اس کا کیا مطلب ہے؟ چونکہ عموماً جمع کا لفظ ذکر کیا جاتا ہے تو کیا کم ازکم تین طرق وتین سندیں مطلوب ہوتی ہیں؟

محققین کی صراحت کی روشنی میں جواب یہ ہے کہ انجبار تلافی ضعف، اور حصول اعتماد کے لئے مزید صرف ایک طریق وسند کافی ہے، امام سیوطیؒ ''تدریب الراوی نی'' میں فرماتے ہیں:

اوراس میں کوئی ندرت وانکارنہیں ہے کہ ایسی حدیث کوحجت بنایا جائے جس کے دوطرق ہوں اور ایسے کہ ان میں سے ہر ایک الگ الگ وتنہا ہونے کی شکل میں حجت نہ ہو۔

جیسے مرسل کا معاملہ ہے کہ اگر اس کی (مضمون میں) روایت کسی دوسرے طریق سے موصولاً ومسنداً ہو یا کوئی دوسری مرسل روایت وطریق اس کا مؤید موجود ہو، تو مرسل حجت ہوتی ہے (اسی طرح ضعیف کا حکم ہے جبکہ دوسرا طریق پایا جائے)'' (تدریب الراوی ۱/۱۶۰)۔

اور مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی فرماتے ہیں جیسا کہ پیچھے ذکر کیا جاچکا ہے کہ حدیث ضعیف کے طرق میں جب تعدد ہوخواہ مزید ایک ہی طریق پایا جائے تو مجموعی طور پر حدیث وروایت کوحسن ماناجاتا ہے اور وہ حجت ہوتی ہے (قواعدفی علوم الحدیث ص ۴۹:)۔

علامہ سخاوی کے کلام سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اگر چہ انہوں نے بعض حضرات سے یہ نقل کیا ہے اور ان کا بھی رجحان یہی ہے کہ مزید صرف ایک طریق فضائل وغیرہ میں کافی ہے لیکن احکام کے باب میں استدلال واحتجاج کے لئے مزید ایک سے زائد طرق یا دوسرے قرائن مطلوب ہوتے ہیں (فتح المغیث ص ۶۸:) تفصیل آگے آرہی ہے۔

۷۔تعدد طرق سے حاصل ہونے والی قوت وحیثیت:

تعدد طرق سے حدیث ضعیف کو انجبار واعتماد حاصل ہوتا ہے یہ کس درجہ کا ہوتا ہے؟ علماء امت نے اس کی بھی وضاحت کی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ حدیث مرسل سے احتجاج واستدلال کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے تعدد سے کس قسم کے ثبوت وقوت کا حصول ہوتا ہے اس کی بابت فرماتے ہیں:

''حدیث مرسل جب متعدد طرق سے مروی ہو اور اس بات سے خالی ہو کہ اس کے حق میں قصداً یا بغیر قصد کسی غیر ثابت چیز کے بیان پر اتفاق ہو سکے اور سمجھا جائے تو ایسی حدیث مرسل قطعی صحیح ہوتی ہے۔

اس لئے کہ نقل یا تو صحیح، واقع کے مطابق ہوگی، یا جھوٹ ہوگی کہ بیان کرنے والے نے قصداً یا خطأً جھوٹ وخلاف واقع کہا ہوگا لہذا جب کوئی خبر قصد وبغیر قصد ہر قسم کے جھوٹ سے خالی ہو تو بغیر کسی شک وشبہ کے وہ ثابت و سچی ہوگی۔

لہذا اگر کوئی حدیث دو یا تین جہت، طریق وسند سے مروی ہو اور یہ سمجھا جائے کہ بیان کرنے والوں نے اس کے گڑھنے وبنانے پر اتفاق نہیں کیا ہے اور یہ بھی سمجھا جائے کہ اس جیسی چیز میں بغیر قصد بھی اس قسم کا اتفاق نہیں ہوسکتا تو یہ سمجھا جائے گا کہ یہ خبر وحدیث صحیح ہے۔

اس تفصیل کی بنیاد پر جو بھی روایت ذاتی حیثیت میں اور تنہا ایسی ہو کہ وہ اعتماد واعتبار کے لئے کافی نہ ہو اس وجہ سے کہ اس میں ارسال ہے یا روات میں ضعف ہے لیکن ایسی خبر کو تعدد طرق واسانید حاصل ہو جائے تو اس کی صحت وثبوت کو مانا جائے گا۔

یہ اصل وقاعدہ ایسا ہے کہ جس کو خوب جاننا اور معروف کرنا چاہئے کہ یہ چیز بہت سی منقولات ومرویات کے قطعی ومضبوط ثبوت کے جاننے میں نافع ومفید ہے عام ہے کہ مضمون

حدیث وتفسیر ومغازی کا ہو یا عام لوگوں کے اقوال وافعال وغیرہ سے تعلق رکھتا ہو نی نی (فتاوی شیخ الاسلام ۱۳/ ۳۴۷ تا ۳۴۹)۔

۸— دوسرے مؤید طریق کے لئے مطلوب امور:

حدیث ضعیف کو دوسرا طریق ملنے پر جو اعتبار واعتماد حاصل ہوتا ہے تو اس دوسرے طریق کے لئے کیا قیود ہیں؟ ان کا جاننا بھی ضروری ہے۔

الف— ضروری نہیں کہ دونوں طرق کا راوی صحابی الگ الگ ہو:

دوسرے طریق کے مفید ہونے کے لئے یہ قید نہیں ہے کہ صحابی مختلف ہو بلکہ سند کا کچھ مختلف ہونا کافی ہے اگرچہ دونوں کا صحابی ایک ہو۔ امام ترمذی نے جن احادیث کو حسن کہا ہے، جبکہ ان کا کہنا ہے کہ ضعف کے ساتھ تعدد طرق کی صورت میں ہی میں حدیث کو حسن کہتا ہوں، ان احادیث سے یہ ظاہر وواضح ہوتا ہے۔

مثلاً امام ترمذی نے اپنی جامع کے ''باب ما جاء فی التطوع فی السفر نی نی میں ایک حدیث روایت کی ہے:

''حدثنا علی بن حجر أخبرنا حفص بن غیاث عن حجاج عن عطیة عن ابن عمر رضی اللہ عنہ:

صلیت مع النبی ﷺ الظهر فی السفر رکعتین وبعدها رکعتین'' (ترمذی ابواب السفر باب ماجاء فی التطوع فی السفر)۔

اس کے بعد امام ترمذی نے فرمایا ہے:

''یہ حدیث حسن ہے کہ اس کو ابن ابی لیلی نے بھی بواسطہ عطیہ عن نافع عن ابن عمر روایت کیا ہے نی نی۔

اس کے بعد امام ترمذی نے اس طریق کی پوری سند کے ساتھ حدیث کو نقل کیا ہے۔

صاحب تحفۃ الاحوذی فرماتے ہیں:

''امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے حالانکہ اس کی سند میں حجاج بن ارطاۃ اور عطیہ ہیں اور دونوں ہی مدلس ہیں اور دونوں کی روایت عن کے ساتھ ہے، لیکن ابن ابی لیلی نے حجاج کی متابعت وموافقت کی ہے، جیسا کہ دوسری سند میں ہے اور عطیہ کی نافع نے متابعت کی ہے، (اس لئے امام ترمذی نے اس کی تحسین کی ہے) (الترمذی وشرحہ تحفۃ الاحوذی ۱۱۹/۳، ۱۲۰)۔

شیخ نور الدین عتر نے امام ترمذی کی اصطلاح حسن اور اس کی شرط کو مدنظر رکھتے ہوئے حدیث مذکور کے متعلق فرمایا ہے:

''اس حدیث کی پہلی سند میں حجاج ہیں جو صدوق، کثیر الخطأ اور مدلس ہیں، نیز اس میں عطیہ ہیں ان کا بھی حال حجاج جیسا ہے لیکن ان دونوں میں سے کوئی متہم بالکذب نہیں ہے، اور نہ اعتبار سے گیا گذرا ہے، امام ترمذی نے ان دونوں کی حدیث کی تحسین کی ہے اس لئے کہ اس کو دوسرے طرق سے تقویت حاصل ہے اور وہ ابن ابی لیلی کا طریق ہے، ابن ابی لیلی کے حق میں حافظہ کی رو سے کلام ہے لیکن اس طریق نے اصل حدیث کو قوت پہنچادی تو امام ترمذی نے اس کو حسن قرار دیا نی نی (منہج النقد فی علوم الحدیث ص ۲۷۰: ۲۷۱)۔

یہ تو عام محدثین کی بات ہے کہ ایک صحابی سے ہی اگر دوسرا طریق مل جائے تو تقویت — انجبار واعتماد کے لئے کافی سمجھ لیا گیا۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ تو آگے بڑھ کر یہ بات کہتے ہیں کہ ایک روایت ایک ہی صحابی سے جب کافی سندوں سے مروی ہو تو وہ بھی متواتر قرار پاتی ہے۔

مثلاً ''باب الرجل یوجه بالهدی إلی مکة ویقیم فی أهله هل یتجرد إذا قلدالهدی'' (شرح معانی الآثار، نیز ''باب اللباس والطب متی یحلان للمحرم فی فی (دونوں) میں حضرت عائشہ کی روایت کو متواتر قرار دیا ہے، اس لئے کہ پہلے باب میں ان کی حدیث کو کئی طرق سے اور دوسرے میں آٹھ طرق سے روایت کیا ہے۔

ایسے ہی ''باب وقت رمی جمرة العقبة للضعفاء الذین یرخص لهم فی ترک الوقوف بمزدلفة فی فی میں حضرت ابن عباس کی روایت کو انہوں نے چھ طرق سے نقل کر کے متواتر قرار دیا ہے۔

یہ تینوں احادیث جن کو امام طحاوی نے متواتر کہا ہے، ایک ہی صحابی سے چار سے زائد طرق سے مروی ہیں (شرح معانی الآثار ابواب مذکورہ جلد اول کتاب الحج)۔

حافظ سخاوی نے حدیث منجبر حسن لغیرہ پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''متابع کی کثرت سے ثبوت کا ظن قوی ہوتا ہے جیسے کہ متواتر کا معاملہ ہے کہ وہ بھی اصلاً فرد ومفرد ہوتی ہے (مگر کثرت طرق اس کو متواتر بناتا ہے)'' (ملاحظہ ہو: فتح المغیث ص ۶۳:)۔

ب— دوسرے طریق کا پہلے کے ہم پلہ ومساوی ہونا:

ا— دوسرا طریق جو معاون، اور انجبار کا باعث اور اعتماد واعتبار فراہم کرنے والا ہوتا ہے، اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ پہلے طریق، اور اصل حدیث ضعیف سے از روئے سند وروات کمتر وکمزور نہ ہو، بلکہ اس سے کچھ فائق ہو یا کم از کم برابر وہم پلہ ہو۔

امام سخاوی (فتح المغیث ص ۶۳: تا ۷۰، منہج النقد ص ۲۶۹: وتیسیر مصطلح الحدیث ص ۵۱:) اور مولانا ظفر احمد تھانوی (قواعد فی علوم الحدیث ص ۲۵:) دونوں نے اس کی صراحت کی ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مرسل کے اعتبار کے قرائن میں ایک یہ بھی ہے

کہ کوئی دوسرا مرسل طریق مل جائے جیسا کہ عام طور سے ذکر کیا گیا ہے (ملاحظہ ہو: نزہۃ النظر وتیسیر مصطلح الحدیث وتدریب الراوی وغیرہ نیز الرسالہ)۔ اس سے بھی یہ واضح ہے کہ ہم پلہ ہونا کافی ہوجائے گا۔

۲— اور دوسرے طریق کا پہلے واصل طریق کے مساوی ہونا بظاہر اس صورت میں ہے جبکہ مزید ومؤید صرف ایک طریق ہو، لیکن اگر بعض ومزید طرق اس سے زیادہ ہوں کہ مجموعی طرق تین یا زائد ہوتے ہوں تو ایسی صورت میں، مساوات ضروری نہیں بلکہ اصل حدیث ضعیف سے کمزور کی موافقت وتائید بھی کام کرے گی۔

مولانا ظفر احمد تھانوی نے ''حدیث صحیح لغیرہ نی نی کے بیان میں ذکر کیا ہے:

''حدیث حسن لذاتہ کے اگر مزید طرق ہوں:

۱— ایک ہو جو اصل حدیث حسن لذاتہ سے زیادہ قوی یا اس کے مساوی ہو۔

۲— یا ایک سے زائد ہوں تو خواہ منقطع کیوں نہ ہوں، تو حدیث حسن لذاتہ صحیح لغیرہ قرار پائے گی نی نی (قواعد فی علوم الحدیث ص ۲۴:)۔

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حسن لغیرہ کے لئے مطلوب دوسرے طریق کی مساوات اسی صورت میں ہے جبکہ مزید ایک ہی طریق ہو، اور زیادہ طرق ہوں تو اصل سے کمزور سے بھی حسن لغیرہ کا ایسے ہی تحقق ہوگا جیسے حسن لذاتہ میں کئی کمزور طرق کا مجموعہ بھی حدیث کو صحیح لغیرہ بنا دیتا ہے۔

اور اس بات کی صراحت علامہ سخاوی نے بھی کی ہے (فتح المغیث ص ۶۷: شرح النزہۃ لعلی القاری ص ۷۲:)۔

ج— معنی ومضمون کی موافقت:

انجبار واعتماد میں یہ مطلوب نہیں کہ دوسرا طریق پہلے کے ہی لفظ میں ہو، بلکہ صرف معنی

ومضمون کی موافقت بھی کافی ہوجائے گی (منہج النقد ص ۶۹:) اور عام طور سے ایسا ہی ہے۔

مثلاً بچے کے کان میں اذان واقامت کہنے کی روایت، جس کا ذکر باب اول کے تحت حدیث موضوع کے بیان میں آچکا ہے۔

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی روایت ابن السنی وغیرہ کی ہے۔

"من ولد له مولود فأذن فی أذنه الیمنی وأقام فی أذنه الیسری لم یضره أم الصبیان" (عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی ص ۵۷۸:، والأذکار للنووی ص ۲۴۴:)۔

اس مضمون کی حدیث ترمذی وابوداؤد وغیرہ نے حضرت ابورافعؓ سے نقل کی ہے:

"رأیت رسول اللہ ﷺ أذن فی أذن الحسین بن علی حین ولدته فاطمة بالصلوۃ، رضی اللہ عنهم أجمعین"۔

(الترمذی، الاضاحی باب الاذان فی أذن المولود ابوداؤد الادب باب فی الصبی یولد فیؤذن فی أذنہ، ورواہ أحمد والحاکم والبیہقی کما فی ارواء الغلیل ۴/۴۰۰، ۴۰۱)۔

بیہقی نے "شعب الایمان" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے:

"أذن فی أذن الحسن بن علی یوم ولد وأقام فی أذنه الیسری"۔

(تحفۃ المودود ص ۲۵: شعب الایمان ۱۱/۱۰۶)۔

پہلی حدیث میں ارشاد نبوی اور دوسری وتیسری میں نبی اکرم ﷺ کا فعل ہے، اور تیسری میں مضمون پہلی کے پورے طور پر موافق ہے، اس فرق کے ساتھ کہ پہلی میں قول اور تیسری میں فعل ہے، اور دوسری وتیسری دونوں کی موافقت یہاں معنی ومضمون کی ہے لفظ کی نہیں، اور اس کو کافی سمجھا گیا ہے، چنانچہ مولانا مبارکپوری فرماتے ہیں:

"(ترمذی کی) یہ حدیث ضعیف ہے (اس لئے کہ اس میں عاصم بن عبید اللہ ہیں) لیکن یہ مؤید ہے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے جس کو ابویعلی موصلی وابن السنی

نے روایت کیا ہے نی نی (تحفۃ الاحوذی ۵/ ۱۰۸)۔

جبکہ اس کے مجروح راوی ''عاصم بن عبید اللہ نی نی ابن السنی کے مجروح راوی یحییٰ بن العلاء سے اچھے ہیں (ملاحظہ ہو: التقریب ص ۲۶۷: و ۶۶۴)۔ اور مزید یہ کہ امام ترمذی نے اپنی روایت کو صحیح قرار دیا ہے (ملاحظہ ہو: ترمذی، الاضاحی)۔

عبد القادر ارناؤوط ''جامع الاصول نی نی کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

''ترمذی کی حدیث (کے ضعف کے باوجود اس) کے لئے حضرت ابن عباس کی روایت — جس کو بیہقی نے ''شعب الایمان نی نی میں روایت کیا ہے — شاہد ہے، اس کی وجہ سے یہ حدیث قوی ہے اس لئے امام ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے نی نی (جامع الاصول مع الہامش ۱/ ۳۸۴)، شیخ البانی نے بھی ابن عباس کی حدیث کی وجہ سے حدیث ابی رافع کی قوت کو مانا ہے، لیکن حضرت حسین کی حدیث کو وہ موضوع قرار دیتے ہیں (ملاحظہ ہو: سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ ۱/ ۳۲۰، ۳۳۱)۔

جبکہ ابن عباس کی حدیث بھی ضعیف ہے، جیسا کہ بیہقی نے کہا ہے (تحفۃ المودود ص ۲۵:، وشعب البیہقی ۱۱/ ۱۰۶)۔

۹ — بعض دوسرے امور و قرائن بھی اعتماد و انجبار کا فائدہ دیتے ہیں:

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے تعدد طرق و کثرت طرق ضعیف کے انجبار و اعتماد کے لئے اہم و معروف نیز سب سے زیادہ مستعمل و معمول قرینہ، اور طریقہ و ذریعہ ہے لیکن یہ تنہا نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ دوسرے امور و قرائن بھی اس سلسلہ میں کام آتے ہیں جن سے ضعیف کو اعتماد کی حیثیت و قوت حاصل ہوتی ہے۔

حافظ ابن حجر نے خبر واحد مقبول کی چوتھی قسم ''حسن لغیرہ نی نی کا ذکر کرتے ہوئے اس کی تعریف یوں کی ہے:

''اور اگر توقف والی حدیث کے حق میں قبول کو ترجیح دینے والا کوئی قرینہ مل جائے تو ایسی حدیث — جو اصل میں ضعیف ہوتی ہے، اسی لئے اس میں توقف کیا جاتا ہے — بھی حسن قرار پاتی ہے لیکن یہ حسن لغیرہ ہوتی ہے حسن لذاتہ نہیں نی نی (نزہۃ النظر ص ۲۹:، فتح المغیث ص ۲۳:)۔

ابن ہمام فرماتے ہیں:

''سند کے ضعف کا مطلب متن کا قطعی باطل ہونا نہیں ہے بلکہ یہ اس کا ظاہر ہوتا ہے، لہذا ایسی حدیث کو جب صحت وثبوت پر دلالت کرنے والے کسی قرینہ سے تائید حاصل ہو تو وہ صحیح وثابت قرار پاتی ہے نی نی (فتح القدیر ۲/ ۸۷)۔

مولانا ظفر احمد صاحب فرماتے ہیں:

''حدیث ضعیف کے جب کئی طرق ہوں یا اس کو کسی ایسی چیز سے تائید حاصل ہو جو اس کے قبول کو ترجیح دے تو وہ حسن لغیرہ ہوتی ہے نی نی (قواعد فی علوم الحدیث ص ۲۵:)۔

اہل فن کے یہ سارے اقوال جو بات کہی گئی اس کی تائید کرتے ہیں کہ تعدد طرق کے علاوہ بعض دوسرے امور بھی ضعیف کو انجبار واعتماد کا فائدہ پہنچاتے ہیں۔

مثلاً کسی صحابی کا قول وفتوی جس کا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مرسل کے مؤید امور میں ذکر واعتبار کیا ہے (الرسالہ ص ۴۶۲: — ۴۶۴)۔

ابوالحسن بن الحضار مالکی کہتے ہیں:

''جب کوئی حدیث — ضعیف — کی سند کذاب سے خالی ہو تو فقیہ اس کی صحت کو اس طرح بھی جانتا ہے کہ کتاب اللہ کی کوئی آیت یا شریعت کے اصول اس کے مؤید ہوتے ہیں تو وہ اس کو قبول کر کے اس پر عمل کرتا ہے نی نی (تدریب الراوی ۱/ ۲۸، الاجوبۃ الفاضلہ تعلیقات ص ۲۳۱:)۔

حافظ ابن حجر نے حسن لغیرہ اور اس کے حکم کی بابت ابن القطان مغربی کا قول نقل کیا ہے۔

''یہ قسم ایسی ہے کہ یہ مطلقاً حجت نہیں ہے (کہ ہر باب میں اس کا اعتبار ہو فضائل واحکام سب میں) بلکہ فضائل اعمال میں اس پر عمل کیا جاتا ہے اور احکام کے بارے میں اس پر عمل کے حق میں توقف کیا جاتا ہے البتہ اگر اس کے طرق زیادہ ہوں (یعنی دو سے زیادہ) یا اس کو امت کے عمل کی تائید یا کسی ثابت حدیث یا ظاہر قرآن کی موافقت حاصل ہو تو احکام کے باب میں بھی اس پر عمل کیا جائے گا فی نی (النکت ص ۴۲۲: وفتح المغیث ص ۶۸: ۱، ۶۹)۔

اور سعودیہ کی لجنۃ دائمہ للافتاء کے فتاوی میں حدیث ضعیف پر عمل کی بابت آیا ہے:

''ضعیف پر عمل جائز ہے بشرطیکہ شدید الضعف نہ ہو اور اس کے لئے ضعف کا ازالہ کرنے والے شواہد موجود ہوں یا شریعت کے معتبر قواعد سے اس کو تائید حاصل ہو اور ساتھ ہی ساتھ یہ کہ وہ کسی حدیث صحیح کے خلاف نہ ہو، ایسی صورت میں حدیث ضعیف حسن لغیرہ ہو جاتی ہے جو اہل علم کے نزدیک حجت ہے فی نی (فتاوی اللجنۃ الدائمۃ ۴/ ۲۹۱، ۲۹۲)۔

۱۰ــ دیگر امور کیا ہیں؟

گذشتہ دفعہ ۹ میں مذکور اقوال وتصریحات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ تعدد طرق کے علاوہ مزید امور کیا ہیں اور وہ ہیں:

۱ــ قرآن کریم کی کسی آیت وصراحت کی تائید۔

۲ــ احادیث معتبرہ کی تائید۔

۳ــ شریعت کے مسلمہ امور وضوابط قواعد کی تائید۔

۴ــ کسی صحابی کے قول وفتوی وعمل کی تائید۔

کہا جا سکتا ہے کہ امام شافعی نے مرسل کی تقویت کے لئے جن امور کا اعتبار کیا ہے

وہ یہاں بھی مفید ہوں گے۔

۱۱— انجبار ہر ضعیف کے لئے نہیں ہے:

ضعیف کے ضعف کا انجبار اور اس کی تلافی مذکورہ امور وقرائن کے ذریعہ ہر قسم کی ضعیف کے لئے نہیں ہے کیونکہ ضعیف کی بہت سی اقسام ہیں جیسا کہ گذر چکا ہے، یہ اقسام ضعف کی شدت وخفت کے اعتبار سے بھی ہیں اور پھر ضعف کی شدت وخفت کے بھی مراتب ہیں۔

معلوم ومعروف ہے کہ موضوع بھی ضعیف کی ایک قسم ہے لیکن اس کو اس قسم کے امور سے کوئی نفع نہیں ہوتا بلکہ ثبوت وضع کے بعد سو طرق بھی کسی کام کے نہیں ہیں۔

ابن الصلاح نے اس نسبت سے حدیث ضعیف کی دو اقسام ذکر کی ہیں:

''ایک قسم وہ کہ جس کے ضعف کا ازالہ ہوسکتا ہے اور ہوتا ہے جبکہ اس کو کوئی مناسب تلافی کرنے والا امر مل جائے موافق روایات کی رو سے۔

اور ضعف کی ایک قسم وہ ہے کہ دوسرا طریق اس کو کوئی نفع نہیں پہنچاتا اس لئے کہ اس کا ضعف قوی ہوتا ہے اور تلافی کرنے والے امر میں اس کی صلاحیت نہیں ہوتی کہ اس کے ضعف کا ازالہ کر سکے اور مقابلہ کر سکے نی نی (مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۷:، والنکت مع التعلیق ص ۴۰۸:)۔

مزید فرماتے ہیں:

''ہم کو بہت سی احادیث ایسی بھی ملتی ہیں کہ ان کے بہت سے طرق واسانید ہیں پھر بھی ان کو ضعیف کہا گیا ہے نی نی (مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۷:، والنکت ص ۴۰۹:)۔

اور اصولی طور پر یوں فرمایا:

''ہر حدیث ضعیف متابعت واستشہاد کی صلاحیت واہلیت نہیں رکھتی نی نی (مقدمہ ابن الصلاح ص ۳۹:)۔

۱۲ــ فائدہ نہ اٹھانے والی بعض انواع:

امام سیوطی نے ''تدریب الراوی فی نی میں ذکر کیا ہے:

''جو حدیث راوی کے فسق یا کذب کی وجہ سے ضعیف ہو اس میں دوسرے طریق کی موافقت کوئی اثر نہیں کرتی (یعنی نفع نہیں پہنچاتی) جبکہ دوسرا طریق اسی جیسا ہو، کیونکہ اس صورت میں ضعف قوی ہوتا ہے اور جابر ــ تلافی والی روایت ــ کمزور ہوتی ہے فی نی (تدریب الراوی ۱/۱۷۷)۔

اور ابن الصلاح نے کہا ہے کہ ایسی احادیث میں وہ حدیث ضعیف ہے جس کا راوی متہم بالکذب ہو اسی طرح انہوں نے اس ضمن میں شاذ کا بھی ذکر کیا ہے (مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۷:)۔

بہر حال بنیادی طور پر شدید الضعف روایت کو فائدہ نہیں ہوتا۔

۱۳ــ فائدہ اٹھانے والی بعض انواع:

وہ ضعیف احادیث جن کو انجبار و اعتماد کا فائدہ جابر اور قوت پہنچانے والے امور سے ہوتا ہے وہ ایسی احادیث ہیں جن کا ضعف شدید نہ ہو۔

ایسی احادیث میں معلق، مرسل، مدلس، اور مستور و مجہول نیز سیئ الحفظ اور مختلط کی احادیث وغیرہ کو ذکر کیا گیا ہے۔

(معلق وہ حدیث جس کی سند کا کل یا بعض حصہ شروع سے مذکور نہ ہو۔ مرسل (جس کی سند اخیر سے محذوف ہو)۔ مدلس (جس کا راوی تدلیس کا مریض ہو)۔ مستور (وہ راوی جس کی عدالت یا جرح کچھ معلوم نہ ہو)۔ مجہول (وہ راوی جس کی ذات، شخصیت یا صفت معلوم نہ ہو)۔ مختلط (وہ راوی جو سوء حفظ کا شکار ہو)۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

''جو راوی سوء حفظ کا شکار ہو اور اس کو معتبر موافق روایت مل جائے، اسی طرح جس مختلط کا حال واضح نہ ہو(کہ کب سے اس کا یہ حال ہے اور کون سی روایت اس کے کس حال کی ہے)اس کو نیز مستور کو معتبر موافق مل جائے؟ نیز مرسل و مدلس وغیرہ بھی اگر موافق کو پالیں تو ایسی احادیث حسن قرار پاتی ہیں لیکن حسن لذاتہ نہیں بلکہ لغیرہ مجموعی طور پر دونوں مل کر اصل اور اس کے موافق حسن لغیرہ قرار دی جاتی ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ روات میں سے ہر ایک کی روایت الگ الگ اور اکیلی درست و نادرست، ثبوت و عدم ثبوت کا یکساں احتمال رکھتی ہے، اگر ان میں سے کسی کو موافق روایت مل جاتی ہے تو دونوں احتمالات میں سے ایک یعنی ثبوت و اعتبار کے پہلو کو ترجیح حاصل ہو جاتی ہے، اور یہ اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ حدیث محفوظ ہے، اور اس طرح ایسی کمزور روایت توقف کے درجہ و مرحلہ سے نکل کر قبول و مقبول کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے نی نی (نزہۃ النظر ص ۵۱: ۵۲)۔

ابن الصلاح تعدد وغیرہ کے ذریعہ ضعف کے زوال پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ایک ضعف وہ ہے جو تعدد وغیرہ سے زائل ہوتا ہے، اس لئے کہ یہ ضعف ایسا ہوتا ہے کہ اس کا راوی اپنی جگہ معتبر ہوتا ہے، سچائی و دیانت والا ہوتا ہے مگر اس کا حافظہ کمزوری کا شکار ہوتا ہے، تو ایسے راوی کی حدیث جب دوسرے طریق و سند سے مروی ہوتی ہے تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس روایت کو اس نے محفوظ اور صحیح طور پر یاد رکھا ہے اور اس کے حق میں اس کے ضبط و یادداشت نے کمی نہیں کی ہے اسی طرح جب ضعف ارسال کی وجہ سے ہو تو وہ بھی اس صورت سے ختم ہو جاتا ہے نی نی (مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۷:)۔

اور جیسے حدیث مرسل و حدیث معلق کو تعدد وغیرہ سے نفع ہوتا ہے اسی طرح حدیث

شاذ کا بھی حکم ہے اگرچہ ابن الصلاح نے اس سے انکار کیا ہے (مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۷:)۔لیکن دوسرے حضرات نے ان کی تائید نہیں کی ہے۔ چنانچہ مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی فرماتے ہیں:

''حدیث شاذ کو جب موافق روایت متابع یا مشاہد مل جائے تو اس کا شذوذ دور ہوجاتا ہے، اور وہ قابل احتجاج ہوجاتی ہے نی نی (قواعد فی علوم الحدیث ص ۷۶:)۔

جبکہ ائمہ فن کو اس میں گفتگو ہے کہ آیا شذوذ مطلق عیب ہے اور صحت کے لئے اس سے خالی ہونے کی شرط ہے یا اس میں تفصیل ہے علامہ ذہبی نے صحیح کی تعریف میں شذوذ کی قید نہیں لگائی ہے (ملاحظہ ہو: الموقظ مع تعلیقات الشیخ عبد الفتاح ابوغدہ ص، نیز فتح الملہم ۱/ ۱۳۶)۔

علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی نے ''فتح الملہم شرح مسلم نی نی کے مقدمہ میں ''شاذ وشذوذ نی نی سے متعلق لمبی گفتگو کرتے ہوئے آخری بات یوں ذکر فرمائی ہے:

''شاذ اگر مردود بھی ہو اس وجہ سے کہ وہ محدثین کے نزدیک ایک خاص جہت و پہلو سے مرجوح ہوتی ہے، اس کے باوجود احتمال رکھتی ہے کہ باعتبار متن وہ دوسرے اہل فن کے نزدیک (دوسری وجوہ کی بنیاد پر) راجح ہو، اس لئے محدثین اگر کسی حدیث پر شذوذ کا حکم لگاتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرے اہل فن (یعنی فقہاء واصولیین) کے نزدیک معتبر مرجحات سے کام نہ لیا جائے۔ جبکہ اس میں کوئی منافاۃ نہیں کہ ایک چیز ایک جہت و پہلو سے مردود ہو اور دوسری طرف وہ دو جہتوں سے مقبول ہو نی نی (فتح الملہم ۱/ ۱۴۰)۔

۱۴— کیا شدید الضعف احادیث بھی کچھ فائدہ حاصل کرتی ہیں؟

یہ بات بار بار آرہی ہے کہ ضعیف احادیث کا وہ حصہ جس کو شدید الضعف قرار دیا گیا ہے وہ عمل واعتبار میں صرف نظر کا مستحق قرار دیا گیا ہے اور ایسی احادیث کو مفید تقویت قرائن سے بھی انجبار وقوت کا نفع نہیں ہوتا اور یہ بھی ذکر آچکا ہے کہ کس قسم کی احادیث اس

کے تحت آتی ہیں۔

تاہم یہ ایک سوال ہے کہ انجبار واعتبار کا فائدہ پہنچانے والے امور وقرائن سے کیا شدید الضعف احادیث کسی طرح کا فائدہ حاصل نہیں کرتیں؟ تو علماء نے اس بابت کچھ تفصیل کی ہے یا یوں کہئے کہ ان کے حق میں تقسیم کی ہے۔

ایک حصہ تو وہ ہے جن کے حق میں کسی قسم کے نفع وقوت کا اعتبار نہیں کیا جاتا، بلکہ ان کے حق میں مفید جبر وقوت امور عدم کے درجے میں مانے جاتے ہیں خواہ تعدد طرق وکثرت اسانید ہو یا کچھ اور۔ اس نسبت سے آچکا ہے کہ احادیث موضوعہ کو کسی طرح کا نفع نہیں ہوتا۔

اور ایک حصہ وہ ہے جس کو یہ نفع تو نہیں ہوتا کہ ضعف ختم ہوجائے اور قوت وقبول کا مرتبہ حاصل ہوجائے، لیکن یہ ضرور ہوتا ہے کہ اگر قرائن صحیح وقوی ہوں تو وہ شدید الضعف حدیث کو ان احادیث کے مرتبہ تک پہنچاتے ہیں جن کے حق میں یہ قرائن مفید قوت اور انجبار واعتبار کے لئے نافع ہوتے ہیں۔

۱۵۔ بعض شدید الضعف حدیث قرائن مفیدہ کی وجہ سے شدت ضعف سے نکل جاتی ہے:

اس کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ قرائن صحیحہ ومفیدہ کی وجہ سے شدید الضعف حدیث — مستور وسیئ حفظ کی روایت کے درجہ میں ہوجاتی ہے اور اب اس کے حق میں یہ کہنا درست نہیں ہوتا کہ یہ منکر وبے اصل ہے، اور یہ بھی ہوتا ہے کہ فضائل کے باب میں اعتبار کیا جائے، بلکہ یہ کہ اب اگر مزید مفید ومعتبر قرائن، طریق وسند مل جائے تو اس کو یہ نفع بھی حاصل ہوسکتا ہے اس کو حسن لغیرہ کے درجہ میں مان کر احکام کے حق میں اس پر عمل کیا جائے۔

یعنی ایسی حدیث — جابر ومفید قوت امر سے دو مرحلہ میں درجہ بدرجہ فائدہ حاصل

کرتی ہے پہلے مرحلہ میں شدت ضعف سے نکلنے کا اور دوسرے مرحلہ میں قوت واعتبار کے حاصل کرنے کا۔

سیوطی نے ''تدریب الراوی نی نی میں ایسی احادیث اور ان کے احوال واحکام پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''ایسی شدید الضعف حدیث اپنے طرق کے مجموعہ سے ترقی کر کے اس سے نکل جاتی ہے کہ اس کو منکر کہا جائے یا بے اصل کہا جائے، شیخ الاسلام (حافظ ابن حجر) نے اس کی صراحت کی ہے، بلکہ انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بعض مرتبہ کثرت طرق ایسی حدیث کو مستور وسیئ الحفظ کے درجہ میں پہنچا دیتی ہے اور اس حال کو کہ اگر مزید کوئی طریق ضعیف مل جائے جو قابل گوارا وقبول ہو تو اس مزید و نئے طریق کی وجہ سے پورا مجموعہ حسن (لغیرہ) کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے نی نی (تدریب الراوی ۱/۱۷۷)۔

حافظ ابن حجر ''النکت نی نی میں حسن لغیرہ وصحیح لغیرہ پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اسی طرح میں یہ کہتا ہوں کہ کوئی حدیث ضعیف ہو اور بہت سی سندوں وطرق سے مروی ہو اور سب کے سب (اس درجہ کمزور ہوں کہ) اعتبار سے ساقط وقاصر ہوں اور ایک دوسرے کی تائید نہ کر سکتے ہوں، لیکن ایسی حدیث ضعیف اس ضعیف سے (بہر حال) بہتر ہے جو محض ایک بہت کمزور سند سے مروی ہو اور اس کا نفع اس بارے میں سامنے آئے گا کہ آیا اس پر عمل جائز ہے یا مطلقاً وبالکل منع ہے نی نی (النکت ص ۴۲۰:)۔

اور علامہ جزائری اس بابت فرماتے ہیں:

''بعض حفاظ کا کہنا ہے کہ اس قسم کی حدیث کے کبھی طرق بہت ہوتے ہیں اور وہ درجہ اعتبار سے ساقط ہوتے ہیں لیکن وہ اس کثرت کی وجہ سے اس منکر کے رتبہ سے نکل جاتی ہے جس پر کسی حال میں عمل جائز نہیں اور اس ضعیف کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے جس پر فضائل کے

باب میں عمل جائز ہے اور کبھی کبھی یہ کمزور طرق ان طرق کے مرحلہ کو پا لیتے ہیں جن میں معمولی سا ضعف ہوتا ہے اور یہ حال ہوتا ہے کہ اگر یہ حدیث (مزید) معمولی ضعف والی سندوں کے ساتھ مروی ہو تو ضعیف سے ترقی کر کے حسن لغیرہ کے رتبہ کو پہنچ جائے گی نی نی (فتح الملہم ۱/۷۶)۔

۱۶ــ مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق شدید الضعف کی مثال:

اہل تحقیق نے ایسی احادیث مثال میں ذکر کی ہیں جو شدید الضعف ہیں اور کثرت طرق کی وجہ سے ان کو حسن لغیرہ کی قوت وحیثیت نہیں حاصل ہوتی، البتہ منکر و بے اصل ہونے کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔

علامہ سخاوی نے اس نسبت سے ایک معروف حدیث کا تذکرہ کیا ہے:

"من حفظ علی أمتی أربعین حدیثاً بعث یوم القیامة فقیهاً"

(روایت کی تخریج وتحقیق کے لئے ملاحظہ ہو: کشف الخفاء ۲/۲۴۶، اس میں ممتاز علماء کے اقوال نقل کئے گئے ہیں امام نووی فرماتے ہیں کہ اس کے طرق بہت ہیں مگر حفاظ اس کے ضعف پر متفق ہیں اور حافظ ابن حجر کا کہنا ہے کہ کوئی طریق علت قادحہ سے خالی نہیں ہے)۔

علامہ سخاوی فرماتے ہیں کہ امام نووی نے ذکر کیا ہے کہ حفاظ اس پر متفق ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے حالانکہ اس کے بہت سے طرق ہیں لیکن وہ مجموعی طور پر ایک دوسرے کی تقویت کے لائق نہیں ہیں اس لئے یہ حدیث کثرت طرق کے باوجود قوی اور حسن لغیرہ نہیں، البتہ یہ مجموعی طور پر ایسی ہے کہ اس مردود ومنکر کے حال سے نکل گئی جس پر عمل کی کوئی گنجائش نہیں اور اس ضعیف کی حیثیت میں آ گئی جس کو فضائل اعمال میں قبول کر لیتے ہیں (فتح المغیث ص ۷۰:)۔

۱۷– جابر (تقویت پہنچانے والے امر وحدیث) کے لئے ضابطہ:

حافظ ابن حجر نے موضوع سے متعلق ابن الصلاح کے کلام پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''ابن الصلاح نے جابر کے لئے کوئی ضابطہ ذکر نہیں کیا جس سے یہ سمجھا جائے کہ کونسی حدیث جابر بننے کے لائق ہے اور کونسی نہیں ہے۔

اس میں تحقیقی بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ یوں کہا جائے کہ قبول ورد دونوں کے احتمال کو دیکھا جائے، جس حدیث میں دونوں احتمال برابر درجہ کے ہوں وہ جابر بننے کی صلاحیت رکھے گی اور جس میں رد کا پہلو راجح وقوی ہوگا وہ اس کی اہلیت وصلاحیت نہیں رکھے گی نی نی (النکت ص ۴۰۹:)۔

حافظ ابن حجر نے نخبہ ونزہۃ میں جو کچھ فرمایا ہے کہا جاسکتا ہے کہ اس سے اس کی پوری وضاحت ہوتی ہے، وہ فرماتے ہیں:

''اخبار آحاد میں سے صرف مقبول پر عمل واجب (وجائز) ہے اس لئے کہ اخبار آحاد میں تین احتمالات ہوتے ہیں:

۱– ان میں صفت قبول بنیادی طور پر پائی جائے اور وہ ہے ناقل کے صدق کا ثبوت۔

۲– ان میں رد کی صفت بنیادی طور پر پائی جائے وہ ہے ناقل کے کذب کا ثبوت۔

۳– یا دونوں میں سے کوئی بات نہ مانی جائے۔''

اس کے بعد تیسرے احتمال وشق کی بابت فرمایا ہے:

''تیسری صورت میں اگر کوئی قرینہ مل جائے تو پہلی دو میں سے کسی ایک سے حدیث کو ملحق کرے تو الحاق ہوگا ورنہ توقف کیا جائے گا نی نی (نخبہ ونزہۃ ص ۲۶:)۔

حاصل یہ کہ جابر—تقویت پہنچانے والا امر وقرینہ—اس ضعیف کو نفع پہنچاتا ہے جس میں توقف کیا گیا ہو اس وجہ سے اس کے مخبر کا نہ تو صدق ثابت ہے اور نہ کذب۔

۱۸—ضعیف منجبر کو جابر سے کس قسم کی قوت حاصل ہوتی ہے:

حدیث ضعیف جو انجبار وتقویت کو قبول کرتی ہے وہ تقویت پہنچانے والے امر سے کیا فائدہ اٹھاتی ہے اور اس سے اس کو کس درجہ کی قوت حاصل ہوتی ہے؟

گذشتہ تفصیل میں بار بار اور وضاحت سے یہ بات آئی ہے کہ ایسی حدیث ضعیف سے نکل کر قبول کے مرحلہ کو پہنچتی ہے، اور قبول ومقبول کے آخری مرتبہ ''حسن لغیرہ نی نی میں مانی جاتی ہے— حتی کہ بعض حضرات نے حسن لغیرہ کی تعریف میں ہی جابر کے قبیل کی چیزوں کا تذکرہ کیا ہے۔

اور حسن لغیرہ— جمہور محدثین کے نزدیک حسن لذاتہ کی طرح حجت ہے، اگرچہ مرتبہ میں فرق ہے، جبکہ کسی مسئلہ میں اس سے فائق حدیث موجود ہو اس سے معارضہ ہو تو فائق کو ترجیح ہوگی اور اس سے فائق نہ ملے تو اس کو حجت بنائیں گے اور بناتے ہیں۔

یہ تو اس کا اصل اور عام حکم ہوا لیکن ائمہ فن کی تصریحات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسی حدیث کی حیثیت وقوت اس مرتبہ سے بھی آگے بڑھ جاتی ہے اور بسا اوقات مانی جاتی ہے، معاملہ اس پر موقوف ہوتا ہے کہ تقویت پہنچانے والے امور وقرائن کیسے ہیں اور کتنے ہیں؟ ان کو دیکھتے ہوئے بسا اوقات اس قسم کی حدیث حسن کے اعلی مرتبہ اور صحت کے ادنی درجہ کو بھی پالیتی ہے۔

مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی نے علامہ شعرانی کی ''المیزان نی نی سے نقل کیا ہے:

''جمہور محدثین حدیث ضعیف کو حجت بناتے ہیں جب کہ اس کے متعدد طرق ہوں، پھر کبھی اس کو صحیح کے ساتھ اور کبھی حسن کے ساتھ ملحق کرتے ہیں نی نی (قواعد فی علوم الحدیث

ص ۵۱: ،المیزان ۱/ ۶۸)۔

امام تقی الدین سبکی نے ''شفاء السقام فی نی میں ذکر فرمایا ہے، اور ابن صلاح کے قول کا تعقب کیا ہے جو گذر چکا ہے۔

''ایسی حدیث ضعیف جس کے ضعف کا سبب حافظہ کا ضعف ہو، جبکہ راوی اپنی ذات میں سچا، معتبر، دیندار و دیانت دار ہو تو اس قسم کی احادیث کا مجموعہ قوت کو بڑھا دیتا ہے اور ایسی حدیث اس کی وجہ سے ترقی کر کے حسن یا صحیح کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے نی نی (شفاء السقام ص ۱۱: ،تعلیقات قواعد فی علوم الحدیث ص ۵۱:)۔

ابن کثیر نے اپنی کتاب ''اختصار علوم الحدیث نی نی کے اندر ''حسن نی نی سے متعلق اور ابن صلاح کے قول کی بابت گفتگو کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''تعدد طرق حدیث (ضعیف) کو ضعف کے مرحلہ سے اٹھا کر حسن یا صحت کی بلندی تک پہنچا دیتا ہے نی نی (اختصار علوم الحدیث ص ۴۳:)۔

امام سخاوی نے فرمایا ہے جیسا کہ گذر چکا ہے:

''متابع و مؤید روایت جتنی زیادہ ہوگی اتنا ہی ثبوت وصدق کا ظن قوی ہوگا جیسا کہ متواتر میں ہوتا ہے کہ اس کی اصل واول افراد ہی کی کی روایت ہوتی ہے نی نی (فتح المغیث ص ۲۳:)۔

۱۹— کیا قرائن کے فرق کی وجہ سے قوت وحکم کا فرق ہوگا؟

علماء کے درمیان کسی حدیث کی تلقی بالقبول یعنی مقبولیت کے بارے میں محققین نے نوعیت کی فرق کی بنا پر مرتبہ کا فرق ذکر کیا ہے جیسا کہ آچکا ہے (ملاحظہ ہو: دفعہ ۱۰ باب سوم)۔

اسی طرح تعدد طرق کی صورت میں بھی فرق کیا گیا ہے اس کو دیکھتے ہوئے کہ مزید ایک طریق ہے یا ایک سے زیادہ اور ان طرق کی نوعیت کیا ہے؟ یہ بھی تفصیل گذر چکی ہے

(ملاحظہ ہو: دفعہ ۶ باب چہارم)۔

اس کے پیش نظر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ تعدد طرق کے علاوہ جن قرائن کا اعتبار کیا گیا ہے، ان کے مدنظر حدیث کے مرتبہ وحیثیت میں فرق کیا جائے گا، یہ بات احقر کو صراحۃً نہیں مل سکی، لیکن پیچھے ذکر کردہ باتوں کا تقاضا ہے اور کچھ صراحتوں کا بین السطور یہی ہے۔

اس باب کی دفعہ ۱۰ کے تحت دیگر قرائن کا ذکر کیا گیا ہے ان قرائن کی نوعیت کا مقتضی بھی یہی ہے، ظاہر ہے کہ قرآن کریم یا احادیث مشہورہ اور امور مسلمہ کا مرتبہ کسی صحابی کے قول وفتوی سے مختلف وفائق مانا جائے گا۔

۲۰ — ایسی احادیث کے مواقع وکتابیں:

اس قسم کی احادیث کا بڑا ذخیرہ امام ترمذی کی ''جامع'' اور سنن ابی داؤد نیز بیہقی کی ''سنن کبری نی نی وغیرہ میں ہے، امام ترمذی جن احادیث کے حق میں ''حسن نی نی ہونے کی صراحت کرتے ہیں وہ اسی قبیل کی ہیں، کیونکہ امام ترمذی نے اپنی ''علل صغیر نی نی میں خود اپنی کتاب کی حسن کی تعریف وتعارف میں ذکر کیا ہے۔

''ہم اپنی اس کتاب میں جس حدیث کو حسن کہتے ہیں تو ہمارا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہمارے نزدیک اس کی اسناد حسن ہے، ہر حدیث جو اس طور پر مروی ہو کہ اس کی اسناد میں متہم بالکذب راوی نہ ہو، اور نہ ہی حدیث شاذ ہو اور وہ اسی طرح کی کئی سندوں وطرق سے مروی ہو تو وہ ہمارے نزدیک حدیث حسن ہوتی ہے نی نی (جامع ترمذی، کتاب العلل اواخر الجامع)۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں جو معلقات ذکر کی ہیں ان میں سے بعض اسی قسم کی ہیں، حافظ ابن حجر صحیح بخاری کی معلق روایات کی بابت گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ان مثالوں سے ظاہر وواضح ہے کہ جن احادیث کو امام بخاری نے تعلیقاً — جزم — یعنی معروف کے لفظ وصیغہ کے ساتھ ذکر کیا ہے ان میں بہت سی امام بخاری کی شرط سے خالی

ہیں۔

اور جن معلق روایات کو انہوں نے مجہول کے لفظ وصیغہ کے ساتھ ذکر کیا ہے ان کو اگر احتجاج یا استشہاد کے طور پر ذکر کیا ہے تو وہ یا تو صحیح ہیں یا حسن یا ضعیف ہیں تو منجبر ہیں البتہ اگر رد کے سیاق میں لائے ہیں تو وہ ان کے نزدیک ضعیف ہے اور ہم یہ ذکر کر چکے ہیں کہ اس صورت میں وہ اس کے ضعف کو بیان کرنا چاہتے ہیں نی نی (النکت ص ۳۴۲:)۔

۲۱ — امثلہ:

دو مثالیں ذکر کی جا رہی ہیں ایک صحیح بخاری کی معلقات سے اور ایک امام ترمذی کی جامع سے۔

ابن صلاح وحافظ ابن حجر وغیرہ نے معلقات بخاری پر گفتگو کرتے ہوئے ان کی حیثیت کی وضاحت کی ہے۔

الف — حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

امام بخاری نے کتاب الزکاۃ میں ایک روایت نقل کی ہے:

"یذکر عن سالم عن ابن عمر رضی اللہ عنہما عن النبی ﷺ: "لا یفرق بین مجتمع و لا یجمع بین مفرق" (بخاری، کتاب الزکاۃ باب لا یجمع بین متفرق ولا یفرق بین مجتمع)۔

اس حدیث کو سفیان بن حسین نے بواسطہ زہری موصولاً نقل کیا ہے (رواہ ابوداؤد والترمذی وغیرہما جامع الاصول ۴/ ۵۷۶ و ۵۹۴)۔

یہ بخاری کی شرط کی نسبت سے ضعیف ہے، لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی روایت (مسند احمد ۱/ ۱۲) اس کے لئے شاہد ہے، اس لئے یہ حدیث حسن ہے (النکت ص ۳۳۷: ۳۳۸،)۔

اسی طرح ابن لہیعہ کی ایک روایت کی بابت متابعت کی وجہ سے حدیث کے حسن ہونے کی بات ذکر کی ہے (النکت ص ۳۳۸: ۳۳۹،)۔

ب – امام ترمذی نے اپنی سنن کے اندر کتاب الصلاۃ میں حضرت ابوسعید خدری سے ایک روایت نقل کی ہے:

"إذا صلی أحدکم فلم یدر کیف صلی فلیسجد سجدتین وھو جالس"۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے اس لئے کہ حضرت ابوسعید سے یہ کئی سندوں سے مروی ہے (الترمذی، ابواب الصلاۃ، باب فیمن یشک فی الزیادۃ والنقصان)۔

یعنی اصلاً ضعیف ہے اس لئے کہ اس میں ایک راوی عیاض بن ہلال ہیں جو مرجوح ومجہول راوی ہیں (التقریب ص ۴۶۱:) اس لئے روایت ضعیف ہے۔

لیکن تعدد طرق کی وجہ سے اس کو حسن قرار دیا گیا ہے۔

باب پنجم

احکام کے باب میں

حدیث ضعیف پر عمل

اس باب کا مقصد اس امر کی وضاحت ہے کہ مطلق حدیث ضعیف یا عام جو شدید الضعف نہ ہو اور جس کو علماء امت کی طرف سے قبول کا حصول نہ ہو اور نہ ہی اس کے لئے ضعف کے جبر و تلافی کا کوئی قرینہ فراہم ہو تو کیا نفس احکام کے اثبات کے لئے اس سے استدلال کیا جاسکتا ہے، فضائل کی بابت نہیں وہ بحث تو گذر چکی، اب مقصود حدیث ضعیف سے مسائل واحکام کے ثابت ہونے و کرنے کی بابت گفتگو ہے

(اس موضوع پر مولانا عبد الحی لکھنوی نے ''ظفر الامانی فی فی میں استقلالاً گفتگو کی ہے، اور بہت اچھی وتحقیقی اور اس بابت علامہ کوثری کا بھی ایک مقالہ ہے، ایسے ہی مولانا ظفر احمد تھانوی نے ''قواعد فی علوم الحدیث فی فی میں اس سے متعلق ایک مستقل ایک فصل رکھی ہے)۔

ا— اس بابت علماء امت وائمہ فن کے مذاہب واقوال:

باب دوم میں خصوصیت سے اور اس سے پہلے بھی یہ بات بار بار آئی ہے کہ جمہور فضائل

کے باب میں تو حدیث ضعیف پر عمل کی اجازت دیتے ہیں لیکن احکام میں انہوں نے اس سے انکار کیا ہے یعنی حدیث ضعیف سے استحباب و کراہت وغیرہ جیسے احکام بھی ثابت نہیں کئے جاسکتے۔

جن لوگوں نے اس کی صراحت کی ہے ان میں حافظ عراقی کا بھی نام ہے، مولانا عبد الحئ لکھنوی نے ذکر کیا ہے کہ عراقی نے ''الفیۃ الحدیث نی نی کی شرح میں کہا ہے:

''اگر حدیث ضعیف کا تعلق احکام شرعیہ حلال وحرام وغیرہ کے بیان سے ہو یا عقائد سے ہو حق تعالی کی صفات وغیرہ کے بارے میں تو علماء نے اس کے حق میں تساہل کو گوارا نہیں کیا ہے، ائمہ میں سے جن حضرات نے اس کی صراحت کی ہے ان میں عبد الرحمن بن مہدی، احمد بن حنبل، عبد اللہ بن مبارک وغیرہ ہیں نی نی (شرح الالفیہ للعراقی ۲/ ۵۹، الاجوبۃ الفاضلہ ص ۳۹:، ۴۰)۔

امام نووی نے ''الاذکار نی نی میں فرمایا ہے:

''احکام جیسے حلال وحرام، بیع اور نکاح وطلاق وغیرہ تو ان کے حق میں تو صرف حدیث صحیح یا حسن پر عمل کیا جائے گا نی نی (الاذکار للنووی ص ۵:)۔

علامہ دوانی نے ''نموذج العلوم نی نی میں فرمایا ہے جیسا کہ مولانا عبد الحئ صاحب نے نقل کیا ہے:

''علماء اس پر متفق ہیں کہ حدیث ضعیف سے احکام شرعیہ کو ثابت نہیں کیا جاسکتا نی نی (الاجوبۃ الفاضلہ ص ۵۵:، ۵۶)۔

باقی اس میں کوئی شبہ نہیں کہ امام ابو حنیفہ و امام احمد علیہما الرحمہ ان دونوں کا مذہب یہ ہے کہ کسی مسئلہ میں اگر حدیث ضعیف موجود ہو تو اس کو حکم کے باب میں قیاس و ''رائے نی نی بلکہ موقوف پر تقدم حاصل ہوگا، اس بابت ابن حزم کی نقل اور ابن القیم کا قول معروف ہے۔

اور جیسا کہ ابن القیم نے ذکر کیا ہے مذاہب اربعہ میں سے ہر ایک میں بعض مسائل

کی سند ضعیف احادیث کے علاوہ نہیں ہے ابن القیم نے ''اعلام الموقعین نی نی میں اس کا ذکر کرنے کے ساتھ مثالیں بھی ذکر کی ہیں (اعلام الموقعین ۱/ ۳۲)۔

شیخ عبد الفتاح ابوغدہ نے بھی ''الاجوبۃ الفاضلہ نی نی کے حواشی میں، اس امر کا اور مثالوں کا تذکرہ کیا ہے (الاجوبۃ الفاضلہ تعلیقات ص ۴۸: ۴۹)۔

ابن القیم نے امام احمد کے مذہب کے اصول کو بیان کرتے ہوئے امام احمد کا قول عمل بالضعیف کا ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی:

''ان کی اس اصل پر ہر امام فی الجملہ ان کا موافق ہے اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک نے (بعض مسائل میں) حدیث ضعیف کو قیاس پر مقدم کیا ہے نی نی (اعلام الموقعین ۱/ ۳۱)۔

۲ — ائمہ وعلماء مذاہب کی تصریحات:

الف — حنفیہ:

جیسا کہ گذر چکا ابن حزم اور ابن القیم دونوں نے ذکر کیا ہے:

''علماء اس پر متفق ہیں کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ حدیث ضعیف ان کے نزدیک رائے وقیاس سے اولی ہے نی نی (قواعد فی علوم الحدیث ص ۵۸:، و ۵۹، اعلام الموقعین ص ۶۷:)۔

(ابن حزم کا قول ان کی کتاب ملخص ابطال القیاس ص ۶۸:، والاحکام فی أصول الاحکام ۷/ ۵۴ میں ہے جیسا کہ شیخ عبد الفتاح نے قواعد فی علوم الحدیث ص ۵۹: کے حواشی میں ذکر کیا ہے، اور ابن حزم کے اس قول کو ان سے ذہبی، سخاوی، ابن حجر مکی نے نقل کیا ہے)۔

ابن الہمام نے ''فتح القدیر شرح ہدایہ نی نی میں ذکر کیا ہے:

''حدیث ضعیف غیر موضوع سے استحباب کا ثبوت ہوتا ہے نی نی (فتح القدیر ۲/ ۹۵)۔

اور ملا علی قاری نے ''شرح مشکاۃ — مرقاۃ المفاتیح نی نی میں ذکر کیا ہے:

''حنفیہ کا مذہب قوی یہ ہے کہ حدیث ضعیف کو اس قیاس مجرد سے مقدم کیا جائے جو رد و تضعیف کا احتمال رکھتا ہو نی نی (مرقاۃ المفاتیح ۱/ ۳)۔

مولانا ظفر احمد تھانوی نے ''قواعد فی علوم الحدیث نی نی میں مستقل ایک فصل میں اس بابت اقوال کو جمع و ذکر کیا ہے (قواعد فی علوم الحدیث)۔

نیز ''اعلاء السنن نی نی کتاب البیوع میں ایک موقع پر ذکر کیا ہے:

''منقطع اگر متصل سے معارض نہ ہو تو حجت ہے نی نی (اعلاء السنن ۱۴/ ۵۰)۔

اور اپنے اس قول کی تائید میں امام طحاوی کا یہ قول نقل کیا ہے جو ''خیار الرؤیۃ نی نی سے متعلق انہوں نے ذکر کیا ہے:

''اس بابت آثار تواتر کے ساتھ وارد ہیں، اور اگرچہ ان میں سے اکثر منقطع ہیں لیکن یہ انقطاع ایسا ہے کہ اس کا کسی متصل سے تعارض نہیں ہے نی نی (شرح معانی الآثار کتاب البیوع باب خیار الرؤیۃ)۔

ب — حنابلہ:

شیخ محمد ابوزہرہ نے ''تاریخ المذاہب الاسلامیۃ نی نی میں امام احمد کے مذہب کے اصول کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اصل رابع — حدیث مرسل پر عمل جس میں راوی صحابی کا تذکرہ نہیں ہوتا، اسی طرح اس حدیث ضعیف پر عمل جس کی وضع کا ثبوت نہ ہو جبکہ اس مضمون کی کوئی معارض قوی روایت موجود نہ ہو اور وہ ایسی حدیث ضعیف کو قیاس پر مقدم کرتے ہیں نی نی (تاریخ المذاہب الاسلامیۃ ۲/ ۳۲۹، ۳۳۰)۔

ابن القیم ''اعلام الموقعین نی نی میں امام احمد کے اصول فقہ بیان کرتے ہوئے ذکر کرتے ہیں:

''امام احمد کے فتاوی کی اصولی بنیادوں میں چوتھی اصل مرسل اور حدیث ضعیف پر عمل واعتبار ہے بشرطیکہ مسئلہ موضوع سے متعلق قوی چیز موجود نہ ہو جو مرسل وضعیف کو دفع کرے، اس کو وہ قیاس پر ترجیح دیتے ہیں نی نی (اعلام الموقعین ۱/۳۱)۔

مولانا عبدالحئ لکھنوی اور علامہ سخاوی نے بھی امام احمد کا مذہب وقول یہی ذکر کیا ہے بشرطیکہ دوسری نص موجود نہ ہو اور ضعیف کا کوئی معارض بھی نہ ہو نی نی (الاجوبۃ الفاضلہ ص ۴۶:، ۴۷، القول البدیع ص ۱۹۵:، فتح المغیث ص ۲۰:)۔

امام احمد سے ان کا قول یوں بھی مروی ہے:

''ہمارے نزدیک حدیث ضعیف لوگوں کی رائے سے زیادہ پسند ہے نی نی۔

اسی طرح انہوں نے فرمایا:

''صاحب رائے کے بجائے مسئلہ اس سے پوچھو جس کو حدیث کا علم ہو خواہ وہ صحیح وضعف کو نہ جانتا ہو نی نی۔

ایک موقع پر انہوں نے اپنے بیٹے سے فرمایا:

بیٹے تم حدیث کی بابت میرا طریقہ جانتے ہو کہ: اگر کوئی حدیث ضعیف ہو اور اس کے خلاف کوئی مضبوط چیز موجود نہ ہو تو میں حدیث ضعیف کی مخالفت نہیں کرتا نی نی (فتح الملہم ۱/۷۷، الاجوبۃ الفاضلہ ص ۴۶:، ۴۷)۔

ج — شافعیہ:

امام نووی کا قول پیچھے آچکا ہے، انہوں نے فضائل کے باب میں ضعیف کے اعتبار وعمل کی بات نیز احکام میں نفی کی بات کے ساتھ یہ بھی ذکر کیا ہے:

''اگر کوئی احتیاطی موقع وبات ہو تو احکام میں اعتبار کیا جائے گا نی نی (الاذکار ص ۵:)۔

ان کے اس قول کی وضاحت دوسرے قول سے ہوتی ہے:

''اگر کسی حدیث ضعیف میں بیع کی کسی شکل یا نکاح کی کسی صورت کی کراہت کا تذکرہ ہوتو مستحب یہ ہے کہ اس سے بچا جائے''(الاذکار ص ۵:۶، فتح المغیث ص ۲۸۵:)۔

سیوطی نے ''تدریب الراوی'' میں ذکر کیا ہے:

''حدیث ضعیف پر احکام میں بھی عمل کیا جاتا ہے جبکہ اس میں احتیاط ہو''(تدریب الراوی ۱/ ۲۹۹)۔

بلکہ امام شافعی جن کی رائے مرسل وغیرہ کے حق میں سب سے سخت ہے خود ان سے سیوطی نے نقل کیا ہے:

''اگر کسی مسئلہ میں بطور دلیل صرف حدیث مرسل موجود ہوتو امام شافعی کے تین اقوال ہیں: تیسرا قول ہے جو اظہر ہے کہ اس کی وجہ سے اس کام سے بچنا اور رکنا ضروری ہے''(تدریب الراوی ۱/ ۲۰۲)۔

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے ''مقدمہ فتح الملہم'' میں ماوردی سے امام شافعی کا قول نقل کیا ہے جس کو ان کا قول جدید بتایا ہے:

''جب مرسل کے علاوہ کوئی دلیل نہ ہو حدیث مرسل سے احتجاج کیا جائے گا''(فتح الملہم ۱/ ۲۹)۔

سخاوی نے بھی ''فتح المغیث'' میں ان کا یہ قول نقل کیا ہے (فتح المغیث ص ۲۸۵:، ۸۰)۔

حدیث ضعیف پر احکام کی بنا کی مثالوں میں ابن قیم نے وادی وج کے شکار کا مسئلہ نیز ممنوع اوقات میں مکہ مکرمہ میں نماز کے جواز کا مسئلہ، فقہ شافعی کا ذکر کیا ہے اور یہ کہ ان مسائل کی مستدل احادیث ضعیف ہیں (اعلام الموقعین ۱/ ۳۲)۔

اسی طرح دفن کے بعد تلقین کا مسئلہ شوافع کی ایک جماعت کے نزدیک مختار ہے جس میں رافعی، ابن صلاح ونووی وغیرہ ہیں جبکہ مستدل حدیث ضعیف ہے

(الاذکار ص ۳۸:، مسئلہ تلقین کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اعلاء السنن ۹/ ۱۷۳، والروح لابن القیم ص ۱۳:، ۱۴، اور حدیث کے لئے الاذکار کا حاشیہ ص ۱۳۸:، والاجوبۃ الفاضلہ ص ۲۳۱:، ۲۳۲، ۳۸)۔

د— مالکیہ:

علامہ ابن القیم نے ''اعلام الموقعین نی نی میں ائمہ کے اصول پر گفتگو کرتے ہوئے امام مالک کے متعلق تحریر فرمایا ہے:

''امام مالک حدیث مرسل اور منقطع و بلاغات کو نیز قول صحابی کو بھی قیاس پر مقدم کرتے ہیں نی نی (اعلام الموقعین ۱/ ۳۲)۔

''بلاغات نی نی سے مراد وہ روایات ہیں جن کو انہوں نے ''مؤطا نی نی میں ''بلغنا نی نی کے لفظ سے ذکر کیا ہے، اور ان کا یہ قول گذر چکا ہے کہ ''مدینہ میں کسی حدیث کی شہرت سند سے مستغنی کر دیتی ہے نی نی (سنن الدارقطنی ۲/ ۴۴۱)۔

امام ابوداؤد اپنے خط (بنام اہل مکہ) میں تحریر فرماتے ہیں:

''مرسل روایات کو گذشتہ علماء حجت بنایا کرتے تھے جیسے سفیان ثوری، مالک، اوزاعی، حتی کہ امام شافعی نے اس بابت کچھ گفتگو کی ہے جس میں امام احمد وغیرہ نے بھی ان کی موافقت کی، یہ امام احمد کی ایک روایت ہے، لیکن کسی مسئلہ میں جب مرسل ہی روایت ہو تو وہ حجت ہوگی اگر چہ وہ قوت میں متصل کی مانند نہیں ہوگی نی نی (فتح الملہم ۱/ ۹۰)۔

ابن عبد البر نے قید لگائی ہے کہ مرسل مالکیہ کے یہاں مقبول ہے بشرطیکہ ارسال کرنے والا ثقہ سے ہی ارسال کرے (فتح الملہم ۱/ ۹۰)۔

ابوالولید باجی مالکی فرماتے ہیں کہ اگر ارسال کرنے والا صرف ثقہ سے ارسال کرتا ہو

توجمہور فقہاء اس پر عمل کے حق میں متفق ہیں (احکام الفصول فی احکام الاصول ص ۳۴۹، ۳۶۰)۔

۳— ایک اعتراض اور جواب:

احکام میں حدیث ضعیف کے اعتبار کی نسبت سے مولانا عبد الحئی لکھنوی نے ایک اعتراض ذکر کیا ہے اور اس کو دوانی سے بھی نقل کیا ہے اور ان کا جواب بھی ذکر کیا ہے، اور خود بھی جواب دیا ہے۔

اعتراض یہ ہے کہ معروف ہے، اور بار بار بوضاحت یہ کہا گیا، جیسا کہ گذر چکا ہے کہ حدیث ضعیف کا اعتبار صرف فضائل کے باب میں ہے، احکام ومسائل میں نہیں ہے، پھر اس اعتبار کے کیا معنی جس کا ذکر پیچھے کیا گیا۔

کہ ضعیف سے مسائل کو بھی ثابت کیا گیا، کراہت واستحباب وغیرہ، اور کراہت واستحباب وغیرہ بھی احکام کے قبیل سے ہیں مولانا لکھنوی فرماتے ہیں:

''علماء نے صراحت کی ہے کہ حدیث ضعیف سے احکام شرعیہ ثابت نہیں ہوتے اور اس کی بنیاد پر جواز واستحباب کا ثبوت احکام سے ہی تعلق رکھتا ہے، لہذا جب کسی حدیث ضعیف کے تقاضے سے کسی عمل کو مستحب قرار دیا گیا تو یہ ضعیف سے استحباب کا اور حکم کا ثبوت ہوا تو یہ تو ان حضرات کے کلام میں تناقض وتعارض ہوا؟ (الاجوبۃ الفاضلہ ص ۵۳:)۔

دوانی نے اس کا تفصیل سے جواب دیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ایسی صورت میں اصل جواز واستحباب حدیث ضعیف سے ثابت نہیں جیسا کہ علماء کی صراحت کا حاصل وظاہر بھی ہے، بلکہ ایسے مواقع میں اصلاً احتیاط کو اختیار کیا گیا ہے کہ ایک عمل جب اباحت واستحباب دونوں کے درمیان دائر ہوتا ہے تو احتیاط اعتبار میں سمجھی گئی (الاجوبۃ الفاضلہ ص ۵۷:، مزید ملاحظہ ہو: ص ۵۶: تا ۵۹)۔

خود مولانا عبد الحئی صاحب کا جواب ہے، اور احقر کے نزدیک وہ زیادہ بہتر ہے کہ

''حق اس مقام میں یہ ہے کہ جب خصوصیت سے کسی چیز کا استحباب یا جواز کسی حدیث صحیح سے ثابت نہ ہو اور اس کا تذکرہ کسی ایسی حدیث ضعیف میں ہو جو شدید الضعف نہ ہو تو اس حدیث کی وجہ سے اس کا استحباب وجواز ثابت ہوگا اس شرط پر کہ وہ امر کسی اصل شرعی کے تحت داخل ہو اور شریعت کے اصول نیز دلائل صحیحہ سے معارض نہ ہو نی نی (الاجوبۃ الفاضلہ ص ۵۷: ، نیز ۵۶ تا ۵۹)۔

۴۔ احکام میں معتبر ضعیف سے کیا مراد ہے؟

امام ابوحنیفہ وامام احمد کے متعلق خصوصیت سے جو احکام میں ضعیف کا اعتبار معروف ہے تو ایک سوال یہ پیدا ہوا کہ اس ضعیف سے کیا مراد ہے؟ ضعیف محض ومعروف یا ضعیف منجبر وغیرہ۔

اس بابت شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے تلمیذ رشید ابن القیم نے جو تفصیل وتحقیق اختیار کی ہے اور جس کو بعد میں عموماً پسند کیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ ان دونوں حضرات کی مراد آج کی معروف اصطلاح میں ضعیف نہیں بلکہ حسن مطلق یا کم از کم حسن لغیرہ یعنی ضعیف منجبر وغیرہ ہے۔

شیخ الاسلام ''منہاج السنۃ نی نی میں فرماتے ہیں:

''ہم جو یہ کہتے ہیں کہ حدیث ضعیف رائے سے بہتر ہے تو اس سے وہ ضعیف مراد نہیں جو متروک ہے (اس لئے کہ وہ اصطلاحی ضعیف ہے)، بلکہ اس سے مراد حدیث حسن ہے جیسے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند اور ابراہیم ہجری کی حدیث، اور ان جیسی احادیث جن کی امام ترمذی تحسین کرتے ہیں اور کبھی تصحیح بھی۔

امام ترمذی سے پہلے اصطلاحی طور پر حدیث کی دو ہی اقسام تھیں صحیح وضعیف اور ضعیف کی دو اقسام تھیں ضعیف متروک (غیر مقبول وغیر قابل عمل) ضعیف (مقبول وقابل

عمل) ائمہ حدیث نے (عموماً) اسی اصطلاح کے مطابق گفتگو کی ہے۔ اب جن لوگوں کو امام ترمذی کی اصطلاح کے علاوہ (اصل اصطلاح) کا علم نہیں رہا تو انہوں نے بعض ائمہ کا یہ قول سنا:

''حدیث ضعیف ہم کو قیاس سے زیادہ پسند ہے نی نی۔

تو وہ یہ سمجھے کے وہ لوگ اس ضعیف سے حجت پکڑتے ہیں جس کو امام ترمذی جیسے حضرات نے ضعیف کہا ہے اور انہوں نے ان لوگوں کا طریقہ اختیار کیا جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم حدیث صحیح کی زیادہ اتباع کرتے ہیں جبکہ ایسے لوگ تناقض کا شکار اور ان لوگوں میں ہیں جو غیر اولی کو اولی پر ترجیح دیتے ہیں جو کم از کم اس سے کمتر نہیں ہوتی نی نی (منہاج السنہ النبویۃ ۳/۱۹۱، تعلیقات الاجوبۃ الفاضلہ ص ۴۷:)۔

اس سے بھی زیادہ واضح ان کا یہ قول ہے:

''امام احمد اور ان سے قبل کے علماء کا عرف یہ تھا کہ حدیث کی دو انواع مانی جاتی تھیں صحیح وضعیف اور ضعیف کی ان کے نزدیک دو اقسام تھیں، ضعیف متروک (غیر مقبول) اس کو حجت نہیں بنایا جاتا تھا اور ضعیف حسن (مقبول وحجت)۔

حدیث کی تین اقسام قرار دینے والے اولین صاحب فن جو معروف ہیں وہ امام ترمذی ہیں کہ انہوں نے تین اقسام صحیح، حسن، ضعیف قرار دیں۔

امام ترمذی کے نزدیک حسن وہ حدیث ہے جس کے طرق متعدد ہوں اور اس کے روات میں کوئی متہم بالکذب نہ ہو اور حدیث شاذ نہ ہو۔

اس قسم کی حدیث کو امام احمد ضعیف اور قابل احتجاج کہتے ہیں اسی لئے امام احمد نے ضعیف قابل احتجاج کی مثال میں عمرو بن شعیب اور ابراہیم ہجری وغیرہ کی حدیث کا تذکرہ کیا ہے۔

اور جولوگ امام احمد کا قول یہ بتاتے ہیں کہ وہ اس حدیث ضعیف کو حجت بناتے ہیں جو نہ صحیح ہو اور نہ حسن، تو ایسے لوگ غلطی پر ہیں۔

(فتاوی شیخ الاسلام ۱/۲۵۱، ۲۵۲، وقاعدۃ جلیلۃ فی التوسل والوسیلۃ ص ۸۲:، ۸۳، تعلیقات قواعد فی علوم الحدیث ص ۶۱:، ۶۲)۔

اسی انداز کی بات ابن القیم نے بھی امام احمد و امام ابوحنیفہ کے مذہب کی بابت ذکر کی ہے (اعلام الموقعین ۱/ ۳۲، ۷۷)۔

امام نووی کی ''الاذکار نی نی کے شارح ابن علان نے بھی ان دونوں حضرات کی موافقت کی ہے اور ذکر کیا ہے:

''مشہور اصطلاح کے مطابق ضعیف جس کا مطلب ہے ایسی حدیث جس کے اندر مقبول کی شروط نہ پائی جائیں مراد نہیں ہے، جیسا کہ ابن العربی نے اپنے شیخ سے نقل کیا ہے اور یہ بات صحیح ہے اس سے امام احمد کے حق میں وارد ہونے والا اعتراض دفع ہو جاتا ہے نی نی (شرح ابن علان ص ۸۳:، وتعلیقات الاجوبۃ ص ۴۷:)۔

ابن حزم نے امام ابوحنیفہ کے قول کا ذکر کیا ہے تو اس کی بابت زرکشی نے یہی وضاحت کی ہے (الاجوبۃ الفاضلہ، تعلیقات ص ۴۷:)۔

اور یہی بات مولانا ظفر احمد تھانوی نے اختیار کی ہے اور اس کو بار بار ذکر کیا ہے (ملاحظہ ہو: قواعد فی علوم الحدیث ص ۶۷:)۔

ایک موقع پر مولانا فرماتے ہیں:

''خلاصہ یہ کہ ہمارے اصحاب کے کلام میں جو یہ آیا ہے کہ حدیث ضعیف قیاس پر مقدم ہے تو ضعیف سے مراد وہ قسم ہے جس کو متاخرین ذاتی طور پر ضعیف اور شواہد وغیرہ کی بنا پر حسن مانتے ہیں۔

اگر تم ان احادیث کو دیکھو اور جانچو جن کو ابن قیم نے ایسی حدیث ضعیف کی مثال

میں ذکر کیا ہے جس کو امام ابوحنیفہ نے قیاس پر مقدم کیا ہے تو ان سب کو تم حسن پاؤ گے خواہ حسن لذاتہ یا حسن لغیرہ نی نی (قواعد فی علوم الحدیث ص ۶۷: ومابعد)۔

۵۔ کیا ثلاثی تقسیم امام ترمذی کی ایجاد ہے اور حسن کی اصطلاح؟

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے تلمیذ رشید ابن القیم نے یہ بات پرزور طور پر کہی ہے اور بعد کے بہت سے حضرات نے موافقت کی ہے کہ حدیث میں اصل تقسیم صحیح وضعیف کی ہے پھر ہر ایک کے مراتب وانواع ہیں حسن جہاں صحیح کی انواع واقسام میں ہے ویسے ہی ضعیف کی اقسام میں بھی اس کو ذکر کیا جاتا ہے، اس لئے امام احمد وغیرہ ضعیف سے حسن ہی مراد لیتے ہیں یعنی حسن لغیرہ جو اصلاً ضعیف ہوتی ہے، خالص ضعیف نہیں۔

ائمہ حدیث میں امام ترمذی اولین شخص ہیں جنہوں نے صحیح وضعیف کے ساتھ حسن کو استقلالاً ذکر واختیار کیا ہے۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ رجحان درست نہیں ہے، شیخ محمد عوامہ اور شیخ عبد الفتاح ان دونوں حضرات نے بڑی وضاحت سے اور پورے استقراء وتتبع کے ساتھ اس کو ثابت کیا ہے کہ حسن کی اصطلاح کا استعمال امام ترمذی کے ماقبل حضرات، ان کے اساتذہ ومشائخ بلکہ امام مالک وامام شافعی وغیرہ سے بھی ثابت ہے، حتی کہ امام احمد سے بھی ثابت ہے، اور ابوحاتم وغیرہ سے بھی۔

ان حضرات کے استعمال میں حسن کا لفظ، حدیث کی نسبت سے بھی آیا ہے اور اسناد کی نسبت سے اور راوی کے لئے بھی آیا ہے۔

یعنی اہل فن وائمہ فن، فن کی تنقیح وتحقیق کے آغاز سے ہیں، لفظ حسن کو بطور اصطلاح استعمال کرتے رہے ہیں اور اس ضمن میں کبھی حدیث کو حسن کہتے ہیں کبھی راوی کو ''حسن الحدیث نی نی کہتے ہیں اور کبھی سند کو حسن کو اور راوی کو ''حسن الاسناد نی نی کہتے ہیں:

تفصیل کے لئے ''قواعد فی علوم الحدیث نی نی (مقدمہ اول برائے اعلاء السنن) ملاحظہ ہو جو شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کی تعلیقات وحواشی کے ساتھ مزین ہے۔

اگرچہ ''قواعد فی علوم الحدیث نی نی کے مصنف مولانا ظفر احمد صاحب ابن تیمیہ وابن قیم کے نظریہ کی مؤید ہیں لیکن علامہ انور شاہ کشمیری وعلامہ شبیر احمد عثمانی وغیرہ نے اس کو رد کیا ہے اور حق شیخ عبدالفتاح وشیخ محمد عوامہ استاذ وشاگرد نے ادا کیا ہے

(ملاحظہ ہو: قواعد فی علوم الحدیث ص ۶۲: تا ۶۴، نیز فتح الملہم، مقدمہ فیض الباری)۔

۶ ــ حقیقت کیا ہے؟

امام ابوحنیفہ وامام احمد نے احکام میں ضعیف کا جو اعتبار کیا ہے تو فن کے عمومی احکام وضوابط نیز خود حدیث ضعیف سے متعلق تفصیلات کی بنا پر عام رجحان تو کچھ اسی قسم کا ہے جو ابن تیمیہ وغیرہ سے منقول ہے کہ یہ حضرات ضعیف محض کو حجت نہیں بناتے بلکہ اس ضعیف کو جو ضعف کی حد سے نکل جائے، لیکن غور کرنے پر حقیقت کچھ اور سمجھ میں آتی ہے جیسا کہ بعض محققین عصر نے وضاحت کی ہے اور اس کو ثابت بھی کیا ہے۔

معاملہ یہ ہے کہ اگر بات یہی ہو جو یہ حضرات کہتے ہیں تو ان حضرات کے اختلاف اور اس کو اہتمام سے ذکر کرنے کے کوئی معنی نہیں ہیں کیونکہ ضعیف منجبر اور حسن لغیرہ پر اعتماد واعتبار تو جمہور کا مذہب ہے اور امام احمد کا جملہ ہے:

''حدیث ضعیف رائے وقیاس سے مجھ کو زیادہ پسند ہے نی نی۔

پھر یہ بھی درست نہیں کہ ثلاثی تقسیم امام احمد وغیرہ کے بعد کے عہد کی ہے بلکہ صحیح حسن نی ضعیف کا ذکر، تعریف وتعارف کا سلسلہ پہلے سے آرہا ہے جیسا کہ پیچھے ذکر کیا گیا۔

اس لئے صحیح وراجح یہی ہے کہ ضعیف سے مراد وہ ضعیف ہے جس کا اعتبار فضائل کے باب میں متفق علیہ ہے، مولانا عبدالحئی لکھنوی شیخ عبدالفتاح، شیخ محمد عوامہ وغیرہ کا رجحان یہی ہے۔

مولانا عبدالحئ صاحب نے ''الاجوبۃ الفاضلہ نی نی اور ''ظفر الامانی نی نی دونوں میں اس کا بوضاحت تذکرہ کیا ہے۔

''ظفر الامانی نی نی میں ایک موقع پر فضائل کے باب میں اعتبار کی بابت گفتگو کرتے ہوئے دو مذہب ذکر کئے ہیں جن میں سے ایک یہ ذکر کیا ہے کہ

''حدیث ضعیف سے استحباب کا ثبوت ہوتا ہے نی نی

اور اس کی نسبت ابن الہمام ونووی وغیرہ کی طرف کی ہے (ظفر الامانی ص۱۹۰، فتح القدیر ۹۵/۲)۔

اور ''الاجوبۃ الفاضلہ نی نی میں فرماتے ہیں:

''جب کسی چیز کا جواز یا استحباب خصوصیت سے کسی حدیث صحیح سے ثابت نہ ہو اور اس کی بابت کوئی حدیث ضعیف پائی جائے جو شدید الضعف نہ ہو تو اس سے اس امر کا جواز واستحباب ثابت ہوگا نی نی (الاجوبۃ الفاضلہ ص۵۵:)۔

نیز ''ظفر الامانی نی نی میں موضوع پر گفتگو وتفصیل کے بعد فرماتے ہیں:

خلاصہ کلام یہ ہے — جس سے تمام اوہام کا دفعیہ ہوجاتا ہے، کہ استحباب یا کراہت جو استحباب کے درجہ میں ہوتی ہے، (یعنی کراہت تنزیہیہ) یا جواز حدیث ضعیف سے ثابت ہوتا ہے جبکہ وہ شرطیں پائی جائیں جو فضائل میں اعتبار کی بابت گذری ہیں اور یہ چیز علماء (فن) کے اس قول کے منافی ومعارض نہیں کہ حدیث ضعیف احکام شرعیہ کو ثابت نہیں کرتی نی نی (ظفر الامانی ص۳۹:)۔

''الاذکار نی نی میں امام نووی کی عبارت بھی یہی بتاتی ہے جو نقل کی جا چکی ہے کہ وہ نفی کے قول کو ذکر کرنے کے ساتھ فرماتے ہیں:

''الا یہ کہ احتیاط کے موقع پر مثلاً کسی حدیث ضعیف میں بیع کی کسی قسم یا نکاح کی کسی صورت کی کراہت کا تذکرہ ہو نی نی (الاذکار ص۵:، ۶)۔

یعنی نفی کا مطلب ہے کہ کوئی حدیث ضعیف اپنی ذات میں یہ صلاحیت نہیں رکھتی کہ اس سے کسی باب میں فائدہ اٹھایا جائے لیکن جب اس کے ساتھ وہ قرائن نہ ہوں جن سے اس کو تقویت ہوتی ہے اور جن کی بنا پر وہ حسن لغیرہ قرار پاتی ہے، البتہ وہ شرائط وامور موجود ہوں جن کا تذکرہ فضائل کے باب میں اعتبار کے لئے معروف ہے تو جمہور کے نزدیک جہاں فضائل میں اس کا اعتبار ہے وہیں علماء وائمہ کی ایک جماعت —جس میں امام ابوحنیفہ وامام احمد کا نام معروف ہے— اس کی قائل ہے کہ احکام میں بھی بوقت ضرورت اس کا استعمال کیا جاسکتا ہے۔

ضرورت کا مطلب ہے اس سے قوی وفائق کا موجود نہ ہونا، بلکہ صورت حال یہ ہو کہ ایک طرف قیاس ہو جس کا مقتضی کچھ ہو اور دوسری طرف حدیث ضعیف ہو جس کا تقاضا دوسرا ہو، تو حدیث ضعیف پر عمل کیا جائے گا جیسا کہ امام احمد کے قول میں بار بار آیا ہے (اعلام الموقعین ۱/ ۷۲، الاجوبۃ الفاضلہ ص ۴۶: ۴۷)۔

اسی پر اعتراض وارد ہوتا ہے جس کو مولانا عبدالحئی صاحب وغیرہ نے ذکر کیا ہے ورنہ حسن لغیرہ میں کیا اشکال اور حسن لذاتہ پر تو بدرجہ اولی اشکال واعتراض نہیں۔

علامہ شبیر احمد عثمانی ''مقدمہ فتح الملہم نی نی میں فرماتے ہیں:

''امام احمد کے کلام میں ضعیف کو حسن پر محمول کرنا بعید ہے جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ نے ''منہاج السنہ نی نی میں ذکر کیا ہے، اس لئے کہ امام احمد کے کلام کا سیاق ہماری نقل کے مطابق اس سے مناسبت نہیں رکھتا نی نی (فتح الملہم ۱/ ۷۷)۔

اور مولانا نے اس سے قبل امام احمد کے مذکور قول اور اس کی بابت کچھ تفصیل کو بھی ذکر کیا ہے (فتح الملہم ۱/ ۷۷)۔

بلکہ علامہ سخاوی نے بھی ''فتح المغیث نی نی میں کچھ اس قسم کی بات فرمائی ہے اور ان کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ:

ابوداؤد اپنی سنن میں سند ضعیف — حدیث ضعیف — کا بھی تذکرہ کرتے ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک حدیث ضعیف رائے سے قوی ہے اور ابوداؤد اپنے اس معمول میں اپنے شیخ امام احمد رحمہ اللہ کے متبع ہیں کہ ان کا معمول یہی تھا جیسا کہ امام احمد کے بیٹے ''عبداللہ نی نی نے امام صاحب سے بار بار نقل کیا ہے جس میں یہ جملہ بھی آیا ہے:

''بیٹے تم میرا طریقہ جانتے ہو کہ میں ضعیف کی اسی وقت مخالفت کرتا ہوں جب کوئی حدیث اس کے بالمقابل موجود ہو ورنہ میں اس کی مخالفت نہیں کرتا نی نی (فتح الملہم ۱/۷۷)۔

۷— شیخ عبدالفتاح و شیخ محمد عوامہ کی ناقدانہ و محققانہ بحث:

جیسا کہ ذکر کیا گیا ابن تیمیہ وغیرہ کے نقطہ نظر کے خلاف کئی حضرات نے صراحت کی ہے اور یہی امام ابوحنیفہ اور بالخصوص امام احمد کے کلام کا ظاہر و متبادر ہے۔

شیخ محمد عوامہ نے ابتداءً تو اس دعوی پر رد و نقد کیا ہے کہ تقسیم ثلاثی ترمذی وغیرہ کی اور بعد کی ہے، جیسا کہ نقل کیا جا چکا ہے اور اس کے بعد اس امر پر گفتگو کی ہے کہ ضعیف سے ضعیف اصطلاحی کو ہی مراد لیا گیا ہے۔

شیخ محمد عوامہ کی بحث کا حاصل خود ان کے دو اقتباسات کے واسطے سے پیش خدمت ہے، ایک بحث کا آغاز ہے اور ایک اختتام ہے۔ فرماتے ہیں:

''حدیث ضعیف کی چار اقسام کی جانی چاہئیں:

۱— ضعیف منجبر، وہ ضعیف جس کے ضعف کی تلافی و تدارک متابعت و شواہد کی بنا پر ہو۔

۲— ضعیف متوسط الضعف۔

۳— ضعیف شدید الضعف۔

۴— موضوع۔

(موضوع تو موضوع بحث سے باہر ہے، اسی طرح شدید الضعف بھی، دو قسمیں بچیں پہلی اور دوسری)۔

امام مالک وامام شافعی صرف پہلی کو لیتے ہیں جبکہ امام احمد وامام ابوحنیفہ اس موقع ومناسبت میں ضعیف سے دوسری قسم کو بھی مراد لیتے ہیں اور اس کو داخل حکم وبحث کرتے ہیں نی نی (قواعد فی علوم الحدیث ص ٦٢:)۔

اور شیخ محمد عوامہ کے کلام کا آخری حصہ ہے:

''امام احمد کے کلام کا ظاہر اس امر کی طرف مشیر ہے کہ ان کی مراد ضعیف سے وہ ضعیف ہے جس میں قبول کی شرطیں نہ پائی جائیں اس لئے کہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جب تک کسی مسئلہ میں نص ملتی ہو اور موجود ہو رائے وقیاس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، خواہ نص ضعیف کیوں نہ ہو کہ حدیث ضعیف رائے سے (بہرحال) بہتر ہے نی نی (قواعد فی علوم الحدیث، تعلیقات ص ٦٦:)۔

اور اپنی رائے کی تائید میں ابن حزم کی نقل کردہ روایت ذکر کی ہے:

''عبداللہ بن احمد فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے دریافت کیا کہ ایک آدمی ایک ایسے علاقہ میں ہے جہاں ایک حدیث کا عالم ہے لیکن حدیث میں صحیح وضعیف سے واقف نہیں ہے اور اس علاقہ میں کچھ اصحاب رائے ہیں، اب اس آدمی کو کوئی حالت پیش آتی ہے جس میں شرعی حکم کی ضرورت ہے تو کس سے پوچھے؟ میرے والد نے فرمایا: حدیث کے عالم سے مسئلہ وحکم شرعی دریافت کرے اور صاحب رائے سے مسئلہ معلوم نہ کرے، کیونکہ ضعیف حدیث بھی رائے سے کہیں قوی ہے نی نی (المحلی ١/ ٢٧، وفتح المغیث ص ٨٠:، تعلیقات قواعد فی علوم الحدیث ص ٦٦:)۔

شیخ محمد عوامہ کا جو نقطۂ نظر ہے وہی شیخ نور الدین عتر کا بھی ہے، وہ اپنی کتاب ''منہج النقد فی علوم الحدیث نی نی میں ذکر کرتے ہیں:

''علماء کی ایک جماعت نے امام احمد وغیرہ کے ان اقوال کی یہ تاویل وتوجیہ کی ہے کہ ضعیف سے متعارف معنی ومفہوم مراد نہیں بلکہ دوسرا مفہوم مراد ہے اور وہ حسن ہے ضعیف سے اس کو مراد لینے کی وجہ یہ ہے کہ حسن میں صحیح کی نسبت ومقابلہ میں ضعف ہوتا ہے نی نی (منہج النقد ص ۲۹۲:)۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:

''لیکن ہمارے نزدیک یہ توجیہ وتاویل ابوداؤد کے قول کی روشنی میں مشکل ہے۔۔۔۔ کیونکہ ابوداؤد نے حدیث صحیح نہ ملنے کی صورت میں غیر متصل (ومنقطع) کو قابل عمل قرار دیا ہے، اور معلوم ہے کہ حدیث منقطع حدیث ضعیف کی اقسام میں سے ہے، حسن کی قسم نہیں ہے نی نی

اور مزید فرماتے ہیں:

''ان حضرات کے قول میں ضعیف کا مطلب اگر حسن لے لیں تو ان حضرات کی تخصیص اور ان کے خصوصی قول کے کوئی معنی نہیں رہ جاتے کہ ضعیف کو قیاس پر مقدم کیا جائے گا، کیونکہ حسن پر عمل (اور اس کا قیاس پر مقدم کرنا) جمہور علماء کا مذہب ہے نی نی۔

(منہج النقد فی علوم الحدیث ص ۲۹۲:، واضح رہے کہ ضعیف کی حسن سے توجیہ کرنے والوں کے خلاف گفتگو میں، شیخ عبدالفتاح شیخ عتر د شیخ محمد عوامہ کی گفتگو کا حاصل ایک ہے جو ذکر کیا گیا ہے)۔

بہر حال ان حضرات محققین کی تنقیح وتفصیل کے مطابق احکام میں احتجاج کے باب میں ضعیف سے مروج اصطلاح کے مطابق ضعیف مراد ہے، البتہ کچھ قید وتفصیل کے ساتھ جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

۸۔ کس قسم کی ضعیف احکام میں حجت ہے؟

گذشتہ سطور میں یہ بات واضح ہوگئی کہ امام ابوحنیفہ وامام احمد نے احکام میں احتجاج

کے لئے ضعیف سے ضعیف ہی کو مراد لیا ہے، متاخرین کی اصطلاح کے مطابق جو حدیث کی تین اقسام قرار دیتے ہیں یا دو تو یوں ایک مقبول جو حسن لغیرہ کو بھی شامل ہے اور دوسری ضعیف۔

اور یہ طے ہے کہ موضوع — ضعیف کی ایک قسم ہونے کی حیثیت سے مراد نہیں اور نہ ہی شدید الضعف مراد ہے۔

بلکہ وہ ضعیف مراد ہے جس کا اعتبار فضائل کے حق میں ہے اور اسی تفصیل و شرائط کے مطابق جو وہاں معتبر ہیں۔ مولانا عبدالحئی صاحب کا قول گذر چکا ہے۔

''جب کسی چیز کا جواز یا استحباب خصوصیت سے کسی حدیث صحیح سے ثابت نہ ہو اور اس کی بابت کوئی حدیث ضعیف موجود ہو جو شدید الضعف نہ ہو تو اس حدیث ضعیف سے اس امر کا استحباب و جواز ثابت ہوگا، البتہ شرط یہ ہے کہ وہ امر کسی اصل شرعی کے تحت داخل ہو اور شریعت کے اصول اور ادلہ صحیحہ کے منافی و معارض نہ ہو نی نی (الاجوبۃ الفاضلہ ص ۵۵:)۔

فضائل کے باب میں حدیث ضعیف سے استدلال اور اس کے شرائط کی تفصیل گذر چکی ہے۔ مولانا کی اس عبارت سے بھی فی الجملہ اس کی وضاحت ہوتی ہے۔ جس میں اہم بات یہ ہے کہ حدیث شدید الضعف نہ ہو اور اصول شریعت سے مناسبت رکھتی ہو۔

اور شدید الضعف نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایسی ہو کہ مناسب و مفید قرائن مل جائیں تو اس کے ضعف کو تقویت ہو اور وہ حسن لغیرہ کے درجہ کو پہنچ جائے۔

تو اس قسم کی حدیث ضعیف اگر صرف ایک طریق سے مروی ہو، نہ تعدد طرق ہو اور نہ تلقی بالقبول وغیرہ، اور مسئلہ زیر بحث میں ہم کو اس سے قوی و اچھی کوئی دلیل شرعی و نقلی نہ ملے۔ ہاں قیاس ضرور ہو، تو ایسی صورت میں اس قسم کی ضعیف حدیث کو ہم رائے و قیاس پر مقدم کریں گا جیسا کہ امام احمد نے بار بار اور بوضاحت فرمایا ہے۔

سیوطی نے تعدد طرق کی نسبت سے کہا ہے:

''ایسی حدیث سے استدلال ناجائز نہیں ہے جس کے دو طریق ہوں اور ان میں سے ہر ایک الگ الگ حجت نہ ہونی ہی (تدریب الراوی ۱/ ۱۶۰)۔

یہاں مراد اسی قسم کی حدیث ضعیف ہے کہ دوسری اپنی جیسی ضعیف سے مل جائے تو خود قوت حاصل کرے اور قوت پہنچائے، اور جب تک تنہا واکیلی ہو تو یہ حیثیت رکھے کہ اس میں کسی قسم کی قوت نہ ہو لیکن ساتھ ہی یہ بھی نہ ہو کہ اس کو مردود وغیر قابل احتجاج قرار دیا گیا ہو۔

شیخ محمد عوامہ کی تفصیل وتحقیق سامنے رکھی جائے:

۱—موضوع کسی کام کی نہیں۔

۲— شدید الضعف بھی کسی کام کی نہیں البتہ تعدد طرق کی وجہ سے کبھی یہ حیثیت حاصل کر لیتی ہے کہ بے اصل ومنکر نہیں کہی جاتی جیسا کہ گذر چکا ہے۔

۳—ضعیف منجبر بالاتفاق حجت ہے جس کو حسن لغیرہ کہتے ہیں۔

۴—متوسط الضعف فضائل کے باب میں جمہور کے نزدیک اور احکام کے باب میں بالخصوص امام ابوحنیفہ وامام احمد کے نزدیک حجت ہے۔

اختصار سے کام لیتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں ضعیف کی دو اقسام ہیں، شدید الضعف اور خفیف الضعف، شدید الضعف موضوع کی طرح قابل احتجاج نہیں الا یہ کہ طرق وقرائن کی وجہ سے نکارت سے نکل جائے۔

اور خفیف الضعف کے دو حصے ہیں ایک جس کو کسی طرح قوت وانجبار واعتبار حاصل ہو، دوسرا وہ جو اس سے خالی ہو اول بالاتفاق حجت ہے، دوم میں اختلاف ہے اور وہی اس بحث وباب کا موضوع ہے، جب کسی مسئلہ میں اس قسم کی حدیث کے علاوہ کوئی حدیث نہ ملے تو شرعی طور پر جیسے فضائل میں یہ حجت ہے احکام میں بھی حجت ہے۔

۹ – امثلہ (جو عمومی ذکر کی گئی ہیں):

احقر کا رجحان بھی وہی ہے جو شیخ محمد عوامہ، شیخ نور الدین عتر اور ان سے قبل کے بہت سے بزرگوں کا ہے، عام رجحان کے خلاف۔

لیکن جہاں تک مثال کا سوال ہے تو عموماً جن احادیث کا تذکرہ مثالوں میں کیا گیا ہے ان کی نوعیت یہ نہیں کہ وہ محض ضعیف ہیں حتی کہ جن کو انتہائی ضعیف اور وضع کی حد تک پہنچا ہوا بتایا گیا ہے بلکہ وہ اس موقف کی ہیں جو ابن تیمیہ و ابن القیم وغیرہ کا مختار رہے، چنانچہ مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی فرماتے ہیں (اور ان کا موقف بھی انہیں حضرات کا ہے):

''جس ضعیف کو امام ابوحنیفہ نے قیاس پر مقدم کیا ہے، اس کی مثال میں ابن قیم نے جن احادیث کا تذکرہ کیا ہے اگر تم ان کا جائزہ لوگے تو ان سب کو حسن پاؤ گے خواہ حسن لذاتہ خواہ حسن لغیرہ نی نی (قواعد فی علوم الحدیث ص ٦٧:)۔

ابن القیم نے فرمایا ہے:

''امام ابوحنیفہ نے نماز میں قہقہہ کی حدیث کو خالص قیاس پر مقدم کیا ہے، جبکہ علماء حدیث اس کے ضعف پر متفق ہیں نی نی (روایات کے لئے ملاحظہ ہو: نصب الرایہ ۱/ ۹۵ تا ۱۰۳)۔

ایسے ہی نبیذ تمر سے وضو کی حدیث کو قیاس پر مقدم کیا ہے اور اکثر علماء حدیث اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں نی نی (اعلام الموقعین ۱/ ۳۱، ۳۲)۔

حیض کی اکثر مدت دس دن کو بتانے والی حدیث کو امام ابوحنیفہ نے خالص قیاس پر مقدم کیا ہے حالانکہ حدیث ضعیف ہے۔ قیاس کی بات یہ کہ دم – دسویں دن کا یا – بعد کا دونوں اپنی حقیقت وصفت میں متحد و یکساں ہیں۔

نیز دس درہم سے کم مہر کی نفی والی حدیث کو قیاس پر مقدم کیا ہے جبکہ علماء اس کے ضعف بلکہ بطلان پر متفق ہیں۔

ان احادیث کی نسبت سے احقر نے حسن ہونے کی بابت کہی ہے اور جس کا دعوی واثبات مولانا ظفر احمد صاحب نے کیا ہے اس کے لئے ان احادیث ومسائل سے متعلق تفصیل کو کتب ذیل میں دیکھا جاسکتا ہے۔ ابن ہمام کی ''فتح القدیر فی فی اور علامہ عینی کی ''البنایہ فی فی اور یہ دونوں فقہ حنفی کی معروف ومعتبر کتاب ہدایہ کی شروح ہیں، اسی طرح ''السعایہ شرح شرح الوقایہ فی فی مولانا عبدالحئ لکھنوی کی نیز ''اعلاء السنن فی فی مولانا ظفر احمد صاحب کی اور ''معارف السنن فی فی مولانا یوسف صاحب بنوری کی جو علامہ انور شاہ کشمیری کے امالی وافادات پر مشتمل ہے) یہ سب کتب فقہ حنفی کے مسائل اور ان کے حدیثی ماخذ کی تحقیق کا خاص اہتمام کرتی ہیں۔

اسی طرح ان مسائل واحادیث کا معاملہ ہے جن کا ذکر مولانا عبدالحئ صاحب اور شیخ عبد الفتاح کی تحریروں میں آیا ہے جیسا کہ گذر چکا ہے (ملاحظہ ہو: الاجوبۃ الفاضلہ مع التعلیقات ص ۴۴: تا ۴۶)۔

احقر نے اپنی اہلیت ولیاقت کے مطابق ان احادیث سے متعلق تفصیلات دیکھی ہیں تو صورت حال یہی ہے جو ذکر کی گئی ہے اس موقع سے ایک حدیث سے متعلق علامہ انور شاہ کشمیری کے قول کو ذکر کرنے پر اکتفا کی جاتی ہے۔ جو اذان میں ترسل کی حدیث سے متعلق ہے، جس کا ذکر آچکا ہے اور جس کو مولانا عبدالحئ صاحب نے بطور مثال ذکر کیا ہے:

''اس ساری بحث وتفصیل کا حاصل یہ ہے کہ یہ حدیث مرفوعاً حضرت جابر سے متعدد طرق سے مروی ہے، اور حضرت ابوہریرہؓ سے بیہقی میں، حضرت علی سے طبرانی ودارقطنی میں، اور دارقطنی میں حضرت عمر سے بھی مرفوعاً مروی ہے۔ لہذا تعدد طرق اور تعدد مخارج وروایات کی بنا پر اس کے ضعف کی تلافی وازالہ ہوگیا۔

اور اسانید کے ضعف وکمزوری کو ہی مانا جائے تو بھی اس کے مطابق عمل وتوارث خود ایک حجت ہے جس کی بنیاد پر ان احادیث کو صحیح قرار دیا جائے گا لہذا سند اگر مجہول ہو تو اس پر

عمل وتعامل معلوم ہے جو دلیل بننے کے لئے کافی ہے فی فی (معارف السنن ۲/ ۱۹۷)۔

تاہم یہ احادیث مذکورہ تفصیل کے تحت فی الجملہ مثال میں ذکر کی جاسکتی ہیں کہ اپنی جن تفاصیل کی بنا پر ان کو حسن قرار دیا گیا ہے وہ ساری تفصیل سب کے سامنے نہیں رہی ہیں بلکہ اصلاً وابتداءً وہی حیثیت رہی ہے جو ضعف کی اور بدرجۂ مجبوری اعتبار کی ہے۔

ابن القیم علیہ الرحمہ نے جن احادیث کا تذکرہ کیا ہے ان کو خالص ضعیف ہی سمجھ کر ذکر کیا ہے جیسا کہ انہوں نے صراحت کی ہے جبکہ خود ان کا موقف اپنے شیخ کی طرح یوں ہے کہ امام ابوحنیفہ وامام احمد اس ضعیف کو حجت مانتے وبناتے ہیں جو فی الجملہ حسن مانی جاتی ہے۔

۱۰۔حکم مذکور کی تفصیل پر منطبق ایک مثال وحدیث:

احقر کے نزدیک مثال میں حضرت عائشہ وحضرت ابن عباس وحضرت انس کی ایک حدیث ذکر کی جاسکتی ہے جس کا تعلق ''ماء مشمس فی فی سے ہے،''ماء مشمس فی فی دھوپ میں گرم کیا ہوا پانی ایسے پانی کا استعمال حنفیہ وشافعیہ کے نزدیک مکروہ ہے (ردالمحتار ۱/ ۸۵، ۱۶۱، اعلاء السنن ۱/ ۱۸۳، ۱۹۴، نہایۃ المحتاج ۱/ ۵۹)۔

مولانا ظفر احمد صاحب نے طباً کراہت کو اختیار کیا ہے (اعلاء السنن ۱/ ۱۹۳، ۱۹۴)۔ اور یہی بات امام شافعی نے ''الام فی فی میں ذکر فرمائی ہے (الام ۱/ ۳)۔

حضرت عائشہ وغیرہ سے مرفوعاً اس کی کراہت مروی ہے لیکن یہ روایت کئی حضرات سے مروی ہونے اور تعدد طرق کے باوجود مرفوعاً شدید الضعف ہے۔

حضرت عائشہ کی روایت کے کئی طرق ہیں لیکن کوئی طریق متروک یا متہم بالکذب یا ان جیسے راویوں سے خالی نہیں ہے اور سب طرق بواسطہ ہشام عن ابیہ عن عائشہ ہیں۔

حضرت انس کے طریق میں سوادہ ہیں جن کی نسبت سے عجلی نے کیا ہے، سوادہ عن انس مجہول حدیثہ غیر محفوظ۔

اورحضرت ابن عباس کی روایت میں انقطاع ہے نیز سند میں عمیر بن صبح ہے جس کو کذاب کہا گیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ تین صحابہ سے مروی ہے، اور حضرت عائشہ سے متعدد طرق ہیں پھر بھی سند وروات کی حیثیت یہ ہے کہ شدید الضعف ہے، ایک دوسرے سے تقویت وانجبار کا فائدہ نہیں مانا گیا ہے (روایت کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو نصب الرایہ ۱/۱۰۱، ۱۰۳ وتلخیص الحبیر ۱/۳۲، ۳۳، اعلاء السنن ۱/ ۱۹۳، ۱۹۴)۔

البتہ حضرت عمرؓ سے موقوفاً اس کی روایت معتبر ہے جس کو دارقطنی (سنن دارقطنی ۱/ ۳۹ الطہارۃ باب الماء المسخن) اور ابن حبان (الاحسان) نے روایت کیا ہے، منذری نے اس کو حسن (الترغیب والترہیب) اور حافظ ابن حجر نے قوی کہا ہے (تلخیص الحبیر ۱/ ۱۴۸ باب الماء الطاہر)۔

توحضرت عمر کی موقوف — قوی ومعتبر روایت کی وجہ سے مضمون کی مرفوع روایت کو یہ نفع ہوا کہ وہ شدۃ ضعف سے اور نکارت وبے اصل ہونے کے مرحلہ سے نکل گئی اور اس ضعیف کے مرحلہ میں آ گئی جو جابر کو قبول کرسکتی ہے، اور فضائل میں بھی معتبر ہے فی الجملہ لہذا احکام میں بھی قبول کی جائے گی۔

یعنی مرفوع تو ذاتی طور پر شدید الضعف ہے نہ فضائل کے لائق اور نہ جابر کو قبول کرنے کی اہل، لیکن حضرت عمر کی موقوف کی وجہ سے یہ حدیث مرفوع بالکل بے اصل نہ رہ گئی بلکہ کچھ کام کی ہوگئی، اور اس طرح اس کو "ماء مشمس" نی نی کے استعمال کی کراہت کے لئے دلیل بنایا جاسکتا ہے اگرچہ یہ کراہت شرعی نہ مانی جائے بلکہ طبی اور ارشادی، **واللہ تعالی أعلم وعلمه أتم وأحكم۔**

الحمد لله الذی بنعمته تتم الصالحات بدايته فی بلد النبی ﷺ ومسجده ونهايته فی بلد الله الحرام ومسجده۔

۲/ ذوالحجہ الحرام ۱۴۳۲ھ علی حساب مکۃ المکرمہ

۱۹/ذوالحجہ علی حساب الہند یوم السبت قبل الظہر
وذلک فی سفر الحج ۱۴۳۲ھ

الاسعدی

ربنا تقبل منا إنک أنت السمیع العلیم